رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کے دوران

دورۂ ترجمۂ قرآن کے مختلف پروگراموں کی تفصیل

انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے تحت نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن مع مختصر تشریح کے پروگرام پاکستان میں مندرجہ ذیل مقامات پر منعقد ہوئے :

۱) مسجد جامع القرآن۔ قرآن اکیڈمی کراچی ـــــ (مترجم : جناب اعجاز لطیف)

۲) میٹ اینڈ ٹریٹ شادی ہال' گلشن اقبال کراچی ـــــ (مترجم : جناب انجینئر نوید احمد)

۳) قرآن اکیڈمی' ملتان ـــــ (مترجم : ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی)

۴) مسجد مکتب خدام القرآن' والٹن لاہور ـــــ (مترجم : جناب فتح محمد قریشی)

۵) جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور

(یہاں اس مرتبہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خصوصی پروگرام خلاصۂ مباحث قرآن بیان کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ہر روز دو گھنٹے کا بیان ہوا۔ پہلے ۸ رکعت نماز تراویح سے قبل ایک گھنٹہ بیان' پھر ۱۲ رکعت سے قبل ایک گھنٹہ بیان)

۶) قرآن ہال' سرگودھا ـــــ (مترجم : جناب خالد محمود عباسی)

۷) دفتر مسلم لیگ نزد تالاب والی مسجد' سانگلہ ہل

ـــــ (مترجم : جناب رحمت اللہ بٹر' بزبان پنجابی)

۸) دفتر انجمن خدام القرآن فیصل آباد ـــــ (مترجم : جناب رشید عمر)

۹) دفتر تنظیم اسلامی فیصل آباد شرقی ـــــ (مترجم : جناب محمد فاروق)

۱۰) مسجد تنظیم اسلامی' میانوالی ـــــ (مترجم : جناب بشیر احمد)

۱۱) برمکان عظمت ممتاز ثاقب' اسلام آباد ـــــ (مترجم : جناب عاطف وحید)

۱۲) جامع مسجد عمر فاروق' گجرات ـــــ (مترجم : جناب عبدالرؤف)

۱۳) مدرسہ شمس النساء' منظور کالونی کراچی ـــــ (مترجم : جناب فیصل منصوری)

(بقیہ : بیک ٹائٹل کے اندرونی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرۃ : ۲۶۹)

ماہنامہ لاھور

حکمتِ قرآن

بیادگار : ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی : ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی

معاون : حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر : حافظ خالد محمود خضر پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۸ | شوال المکرم ۱۴۱۹ھ ـــ فروری ۱۹۹۹ء | شمارہ ۲/۱

ـــ یکے از مطبوعات ـــ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون : ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس : ۱۱ داؤد منزل متصل شاد بکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون : ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

مطبع : آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

اس شمارے کی قیمت ۱۵ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اول

قرآن اکیڈمی لاہور میں جشن قرآن

ماہِ رمضان المبارک خیرات و برکات بکھیرتا ہوا رخصت ہوا۔ مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس مہینے میں صیام کے ساتھ ساتھ "قیام بالقرآن" کا حق ادا کرنے کی بھی حتی الوسع کوشش کی اور اللہ کی رحمت اور مغفرت سے حصہ وافر پا کر نارِ جہنم سے رستگاری کا پروانہ حاصل کیا۔

جامع القرآن' قرآن اکیڈمی (ماڈل ٹاؤن لاہور) میں ماہِ رمضان میں نماز تراویح کے ساتھ مکمل دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام و التزام گزشتہ ۱۴ سالوں سے بحمد اللہ پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ نزول قرآن کے اس مہینے میں قرآن حکیم سے بھرپور استفادے کا یہ مبارک سلسلہ ۱۹۸۴ء میں شروع ہوا تھا۔ مرکزی انجمن کے صدر مؤسس اور تنظیم اسلامی کے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جب پہلی بار پورے قرآن کے دورۂ ترجمہ کے عزم کا اظہار کیا تو اکثر احباب کے نزدیک یہ پروگرام قابل عمل نہیں تھا۔ لیکن محترم ڈاکٹر صاحب کی قرآن کے ساتھ والہانہ وابستگی اور ہمت و استقلال کا یہ مظہر سامنے آیا کہ شدت کی گرمی کے علی الرغم یہ پروگرام نہ صرف یہ کہ ماہِ رمضان میں حسب ارادہ پایۂ تکمیل کو پہنچا بلکہ اس پہلو سے بہت کامیاب بھی رہا کہ اس کی بے پناہ افادیت کا اعتراف تمام شرکاء نے واشگاف الفاظ میں کیا — محترم ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد چند ایک استثناءات کے سوا ہر سال ماہ رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام اس شان سے نبھایا کہ نہ گھٹنوں کی شدید تکلیف اس راہ کی رکاوٹ بن سکی اور نہ ان کی پیرانہ سالی حائل ہو سکی۔ لاہور کے علاوہ کراچی' ملتان' ابوظہبی اور نیویارک میں بھی محترم ڈاکٹر صاحب نے ماہِ رمضان میں اس پروگرام کی سعادت حاصل کی۔

اس سال گھٹنوں کے آپریشن کے بعد تکلیف میں اگرچہ افاقہ تھا لیکن معالج حضرات نے طویل نشست سے منع کر رکھا تھا کہ ایسا کرنے سے پاؤں اور پنڈلیاں متورم ہو جاتے ہیں' تاہم اس کے باوجود محترم ڈاکٹر صاحب قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت خود حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پھر قریبی احباب کے اصرار پر وہ اس بات پر رضامند ہو گئے کہ مکمل دورۂ ترجمہ قرآن کی بجائے "خلاصہ مباحث قرآن" کے عنوان سے نماز تراویح کے ساتھ روزانہ دو گھنٹوں پر محیط بیان پر اکتفا کیا جائے —— بحمد اللہ یہ پروگرام بھی بہت کامیاب اور نہایت مفید رہا۔ روزانہ اس پروگرام میں شرکت کرنے والوں کی اوسط تعداد چار صد سے متجاوز رہی۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں یہ تعداد کئی چند ہو جایا کرتی تھی۔ روزانہ پروگرام کے اختتام پر نصف گھنٹہ سوال جواب کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا جس سے اس پروگرام کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا۔ شرکاء کا ذوق و شوق دیدنی تھا۔ پورے ماہِ رمضان کے دوران رات کے اوقات میں اکیڈمی میں جشن کا سا سماں ہوتا تھا جسے "جشن نزول قرآن" کا نام دیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ اس پروگرام کی قدرے مفصل رپورٹ ندائے خلافت کی ۲۸ جنوری کی اشاعت میں شائع کر دی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

قارئین نوٹ فرمالیں کہ زیر نظر شمارہ دو ماہ کی اشاعت کا قائمقام ہے۔ اس مناسبت سے اس کے صفحات میں بھی قابل ذکر اضافہ کیا گیا ہے۔ ماہِ رمضان کی مصروفیات کے باعث جنوری کا شمارہ بروقت شائع نہیں کیا جا سکا تھا۔ زیر نظر شمارہ جنوری' فروری کے مشترکہ شمارے کی حیثیت رکھتا ہے۔

سلسلۂ تقاریر "تعارف الکتاب"

ڈاکٹر اسرار احمد

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ (۲۸)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم - بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تُحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ ﴾ (المجادلۃ : ۱)

قرآن مجید کا اٹھائیسواں پارہ "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ نو مدنی سورتوں پر مشتمل ہے اور ستائیسویں پارے کی آخری سورۃ' سورۃ الحدید کے ساتھ مل کر دس مدنی سورتوں کا یہ گروپ قرآن مجید میں تعدادِ سُوَر کے اعتبار سے سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ ان سورتوں میں خطاب اکثر و بیشتر بحیثیتِ اُمّتِ مسلمہ مسلمانوں سے ہے' نہ کُفار سے نہ مشرکین سے اور نہ اہل کتاب سے' بلکہ اصل گفتگو مسلمانوں سے ہوئی ہے۔ تاہم یہود کا ذکر ان سورتوں میں بار بار آیا ہے اور وہ اس اعتبار سے کہ یہ سابق اُمّتِ مسلمہ تھی' لہٰذا ان کی مثال بطورِ نشانِ عبرت مسلمانوں کو اپنے سامنے رکھنی چاہئے کہ وہ اللہ کے دین کے حامل تھے' شریعت خداوندی کے امین اور کتابِ الٰہی کے حامل تھے' لیکن راندۂ درگاہِ حق ہوئے اور اب انہی کا منصب تمہیں عطا کیا گیا ہے۔ تمہیں ہوشیار اور خبردار رہنا چاہئے کہ تم بھی کہیں ان کا طرزِ عمل اختیار نہ کر لو اور مبادا تم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فضل سے محروم کر دیئے جاؤ۔

اس پارے میں سب سے پہلی سورۃ "المجادلہ" ہے۔ اس میں ایک تو عائلی

زندگی کے ضمن میں "ظہار" (۱) کا قانون اور کفّارہ کی تفصیلات کا بیان ہے۔ دوسرے نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس دنیا میں ہر آن حق اور باطل کے درمیان ایک کشمکش برپا ہے۔ ایک طرف حزب الشیطان ہے یعنی شیطان کی جماعت' جس میں مشرکین بھی ہیں کفار اور اہل کتاب بھی ہیں اور اس میں منافقین بھی شامل ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی جماعت "حزب اللہ" ہے۔ فرمایا گیا : ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آیت ۲۲) یعنی آخری کامیابی اور غلبہ بہرحال اللہ کی جماعت کو حاصل ہو گا۔ اس ضمن میں یہ آیت بھی وارد ہوئی : ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (آیت ۲۱) اللہ نے یہ لکھ دیا ہے' طے کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے۔

اس کے بعد سورۃ الحشر ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں ایک تو یہود کے قبیلہ بنی نضیر کی تباہی کا ذکر ہے۔ یہ گویا کہ شرح ہے سورۃ الحدید کی آخری آیت کی یعنی ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الحدید : ۲۹) یعنی یہود' اہل کتاب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل پر کوئی اختیار حاصل ہے۔ اب جبکہ وہ راندۂ درگاہِ حق کر دیئے گئے تو وہ تہ تیغ بھی کئے جائیں گے'

---

(۱) ظہار (ع) کے معنی ہم پشت ہونا' موافق ہونا' مرد کا اپنی منکوحہ سے کہنا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہے۔ شرع میں ایسا کہنے سے مرد پر وہ عورت حرام جاتی ہے۔ اور جب تک کفارہ ادا نہ کیا جائے وہ اس پر حلال نہیں ہوتی' اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے' یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور واجب و لازم ہے کہ کفارہ قبل جماع ادا کرے۔ (لغت کشوری)

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں۔ ۵ھ میں اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا۔ یہ تمام احکام سورۃ النور میں بتقریب واقعہ افک ۵ھ میں نازل ہوئے۔ (مولانا شبلی نعمانی' سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۴۶ مطبوعہ اعظم گڑھ' ۱۹۶۲ء بحوالہ بخاری جلد دوم ص ۷۰۷ و سیرت گازرونی قلمی' ابوداؤد جلد دوم ص ۲۱۲ نیز فتح الباری جلد دوم ص ۱۰۶)

انکو جلاوطن بھی کیا جائے گا اور انکو اپنا مال واسباب چھوڑ کر اس سرزمین سے نکلنا ہو گا۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ (الحشر: ۲) وہی تو ہے جس نے کفارِ اہلِ کتاب کو حشرِ اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ سورۃ الحشر کے آخر میں بڑے ہی دلنشین پیرائے میں فرمایا: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ (آیت ۱۹) مسلمانو! ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو اپنے آپ سے غافل کر دیا' چنانچہ وہ اپنی عظمت کو بھول گئے' اپنے اصل مقام اور منصب کو بھول گئے۔ قرآن مجید کی عظمت کے ضمن میں فرمایا: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ (آیت ۲۱) اس قرآن کی عظمت اس تمثیل سے پہچانو کہ اگر ہم نے قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ اللہ کی خشیت سے دب گیا ہوتا اور پھٹ جاتا اور لرز اُٹھتا۔ سورۃ الحشر کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کا ایک انتہائی حسین و جمیل گلدستہ ہے' جو اتنی کثیر تعداد میں ایک مقام پر قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ جمع نہیں ہوئے۔

پھر سورۃ الممتحنہ آتی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ تمہیں اپنے تعلقات' اپنی محبتوں اور اپنی دوستیوں کا مرکز و محور اللہ کو بنانا چاہئے' اللہ کے دشمنوں سے کوئی دوستی اور کوئی تعلق باقی نہ رکھنا چاہئے۔ یہی تمہارے ایمان کی کسوٹی ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ اگر مسلمان خواتین ہجرت کر کے آئیں تو ذرا چھان بین کر لیا کرو' کہیں دھوکہ فریب کا معاملہ نہ ہو۔ اگر تم دیکھو کہ یہ واقعی اور حقیقی مسلمان ہیں اور دل سے ایمان لائی ہیں تو تم انہیں کفار کو نہ لوٹاؤ۔ اس لئے کہ اب کفار اور مسلمانوں کا رشتے داری کا معاملہ ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد سورۃ الصف آتی ہے۔ یہ اس اعتبار سے بڑی عظیم سورۃ ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کو بیان کیا گیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (آیت ۹) یعنی جو دین آپ لے کر

آئے ہیں اسے بالفعل دنیا میں غالب کرنا اور قائم کرنا آپؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ اور اس فرضِ منصبی میں وہ لوگ آپ کے دست و بازو بنیں گے جو آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ چنانچہ انتہائی پُر زور دعوت ہے کہ اہل ایمان اگر تم چاہتے ہو کہ واقعتاً اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پانا ہے تو تمہارے لئے ایک ہی راستہ کھلا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اس کی راہ میں اپنی جانیں اور مال لگادو۔ اور اس کو تجارت سے تعبیر کیا گیا۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں کی مرضی کیا ہے۔

سورۃ الجمعہ میں اس مضمون کا دوسرا رُخ سامنے آتا ہے۔ یعنی دین کے غلبے کے لئے نبی اکرم ﷺ کا بنیادی طریق کار اور اساسی منہاج کیا ہے؟ ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آیت ۲) لوگوں کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھنا' ان کو پاک کرنا اور ان کو کتاب و حکمت سکھانا۔ گویا یہ سارا انقلابی عمل قرآن مجید کے گرد گھومتا ہے۔ اسی کو ذہنوں میں اُتارنا' اسی کو دلوں میں بٹھانا' اسی کے ذریعہ افراد کے دلوں میں تبدیلی پیدا کرنا' ان کے اخلاق و کردار میں انقلاب لانا اور اسی سے معاشرے میں تبدیلی لانا' یہ ہے انقلابِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا اساسی منہاج۔ چنانچہ قرآن مجید کے بارے میں ایک تنبیہ بھی اسی سورۂ مبارکہ میں کی گئی کہ مسلمانو! تم کہیں یہود کی مانند نہ ہو جانا جو حامل تورات بنائے گئے تھے لیکن پھر انہوں نے اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا۔ ایسے لوگ جو حامل کتابِ الٰہی بنائے جائیں اور پھر وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہ کریں تو وہ ان گدھوں کے مانند ہیں جن کے اوپر کتابوں کا جو جھ لدا ہوا ہو۔ آخر میں جمعہ کے احکام ہیں اور اس کی مناسبت یہی ہے کہ جمعہ میں اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی ہے۔ جمعہ کو جمعہ بنانے والی چیز خطبۂ جمعہ ہے اور خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم ہے۔ یعنی کوئی نائبِ رسولؐ منبرِ رسولؐ پر کھڑا ہو کر وہی عمل سرانجام دے: ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

اس کے بعد سورۃ المنافقون آتی ہے جو نفاق کے موضوع پر قرآن مجید کی بڑی مختصر لیکن انتہائی جامع سورۃ ہے۔ اس کے ایک رکوع میں نفاق کی علامات اور اس کی ہلاکت خیزی کا بیان ہے اور دوسرے رکوع میں اس مرض سے بچاؤ کی تدابیر اور اگر کسی کو اس کی چھوت لگ ہی جائے تو اس کے علاج اور معالجہ کی شکل بتائی گئی ہے۔

پھر سورۃ التغابن ہے۔ یہ نفاق کے بالکل برعکس کیفیت ایمان کی حقیقت اور اس کے ثمرات و لوازم' اس کے نتائج اور اس کے متضمنات کو بیان کرتی ہے کہ ایمان کے اجزاء کیا ہیں؟ اور ایمان اگر واقعتاً دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو زندگیوں میں کیسا انقلاب آئے گا' کیا کیا تبدیلیاں برپا ہوں گی؟

آخر میں دو سورتیں ہیں جو مسلمانوں کی عائلی زندگی سے بحث کرتی ہیں۔ زندگی میں دو انتہائی حالات پیدا ہو سکتے ہیں' یعنی میاں اور بیوی میں عدم موافقت جس کا نتیجہ طلاق ہے۔ اس صورت سے سورۃ الطلاق بحث کر رہی ہے اور ایک دوسری کیفیت یہ ہے کہ اپنی بیویوں کی رضاجوئی اور دل جوئی اس درجہ مطلوب ہو جائے کہ اللہ کے احکام ٹوٹنے لگیں۔ اس پر سورۃ التحریم میں توجہ دلائی گئی ہے اور اس کے آخر میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مسلمان خواتین کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ پوری طرح مامور اور ذمہ دار ہستیاں ہیں۔ اللہ کے ہاں انہیں جواب خود دینا ہو گا' وہ اپنے شوہروں کے دین کے تابع نہیں ہیں۔ اس ضمن میں تین انتہائی عمدہ مثالیں دی گئیں کہ بہترین شوہروں کے ہاں بدترین بیویاں ہوئیں اور بدترین شوہر کے ہاں بہترین بیوی ہوئی۔ اور کیا کہنے ہیں حضرت مریم صدیقہ سلامٌ علیہا کے کہ وہ خود بھی انتہائی نیک سرشت تھیں اور انہیں اللہ نے ماحول بھی انتہائی عمدہ اور اعلیٰ عطا فرمایا۔ چنانچہ وہ نورٌ علیٰ نور کی مثال بن گئیں۔

☆ ☆ ☆

تَبٰرَكَ الَّذِیْ (۲۹)

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ○ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ○ ﴾ (الملك : ۱،۲)

قرآن حکیم کا انتیسواں پارہ "تَبٰرَكَ الَّذِیْ" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ گیارہ سورتوں پر مشتمل ہے جو سب کی سب مکّی ہیں اور زمانہ نزول کے اعتبار سے مکّی دور کے بالکل آغاز سے متعلق ہیں۔ چنانچہ اس میں تین وہ سورتیں بھی ہیں جن میں وہ آیات وارد ہوئیں ہیں جن کے بارے میں محققین کا تقریباً اجماع ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی دوسری' تیسری اور چوتھی وحی ہے۔ اس پارے کا آغاز سورۃ الملک سے ہوتا ہے جس کے آغاز میں بڑی اہم آیت آئی ہے : ﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (آیت ۲) اللہ نے موت اور زندگی کا یہ سلسلہ اس لئے پیدا فرمایا کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے بہتر عمل کرنے والا۔ گویا کہ یہ حیاتِ دُنیوی' جو ہماری اصل حیات اور اصل زندگی کا صرف ایک ابتدائی مرحلہ ہے' اپنی حقیقت کے اعتبار سے امتحانی وقفہ ہے۔ یہی بات علامہ اقبال نے بڑی سادگی سے لیکن بڑے پُر شکوہ الفاظ میں فرمائی ؎

قلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اس پارہ میں سورۃ الدہر میں بھی یہ مضمون وارد ہوا : ﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا○ ﴾ (آیت ۲) ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں' پس ہم نے اسے سماعت بھی بخشی اور بصارت بھی عطا فرمائی۔

سورۃ الملک کے بعد سورۃ القلم آتی ہے۔ اس کا ایک دوسرا نام سورۃ "نٓ"

ہے۔ اس کے آغاز میں دوسری وحی کی آیات شامل ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی تعریف کی گئی ہے : ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ○ وَّاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○﴾ (آیات ۱ تا ۴) لوگوں نے حضور ﷺ کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ معاذ اللہ! ان کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہے' ان کو نہ معلوم کیا ہوا ہے کہ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ میرے پاس اللہ کا فرشتہ آتا ہے اور وہ اللہ کا پیغام لاتا ہے۔ اسے انہوں نے خلل دماغ پر محمول کیا۔ اس سے نبی اکرم ﷺ کو رنج پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ اے نبی (ﷺ) آپ غمگین نہ ہوں' آپ ملول اور رنجیدہ نہ ہوں' آپ ان کے کہنے سے (نعوذ باللہ) کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے! آپ تو اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں' آپ کیلئے آپ کے رب کے پاس اجرِ غیرِ ممنون یعنی کبھی نہ منقطع ہونے والا اجر ہے۔ سورۂ ن کا اختتام ہوتا ہے حضور ﷺ کو صبر کی انتہائی مؤثر تاکید پر کہ : ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ (آیت ۴۸) پس اپنے رب کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کیجئے اور اس مچھلی والے کی مانند نہ ہو جایئے۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ کیجئے۔ اپنے فرائض نبوت و رسالت کو ادا کرتے رہئے اور نتائج کو اللہ کے حوالے کر دیجئے۔

اس کے بعد سورۃ الحاقہ آتی ہے' جس میں بڑے پُرشکوہ انداز میں آخرت کا اثبات کیا گیا ہے کہ وہ ایک شُدنی چیز ہے' واقع ہو کر رہنے والی شے ہے۔ فرمایا : ﴿اَلْحَآقَّةُ○ مَا الْحَآقَّةُ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ○﴾ (آیات ۱ تا ۳)

اس کے بعد سورۃ المعارج آتی ہے۔ اس میں اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف اور خصائص کا ذکر ہے اور یہ تقریباً وہی مضمون ہے جو اٹھارہویں پارے میں سورۃ المومنون کے آغاز میں آچکا ہے۔

اس کے بعد آتی ہے سورۂ نوح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر "اُولُوالْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" کس تندہی' کس جانفشانی' کس سرفروشی اور کس

سرگرمی کے ساتھ اللہ کی دعوت لوگوں تک پہنچاتے رہے اور لوگوں نے کس طرح ڈھٹائی کی روش اختیار کی اور انکار و اِعراض پر اَڑے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی مایوسی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم سے اس درجہ مایوس ہو چکے تھے کہ انہوں نے اللہ سے دعا کی : ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾ (آیات ۲۶'۲۷) اے رب! اب تو اس زمین پر کافروں کا ایک بھی گھر بستا نہ چھوڑ۔ اگر تُو نے ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دیا تو ان کی آئندہ نسلوں میں سے بھی محض کافر اور فاسق ہی پیدا ہوں گے۔

اس کے بعد سورۃ الجن ہے' جس میں جنّوں کی ایک جماعت کی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری' قرآن مجید کا سننا اور پھر جا کر اپنی قوم میں نبوت محمدیؐ کی تبلیغ کرنا' یہ سب حالات بیان ہوئے ہیں۔

اس کے بعد آتی ہیں قرآن مجید کی وہ دو انتہائی حسین و جمیل سورتیں جو ہر مسلمان کو انتہائی عزیز ہیں ـــــ ان کا آغاز ہوتا ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝﴾ اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝﴾ کے الفاظ سے۔ یعنی یہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے۔ دونوں الفاظ کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں : "اے کپڑے میں لپٹ کر لیٹنے والے" اب کھڑے ہو جاؤ' کمربستہ ہو جاؤ' اپنی عملی جِدّوجُہد کا آغاز کر دو! آپؐ کی اس جِدّوجُہد کے دو رُخ ہیں۔ ایک ہے اللہ کی طرف۔ چنانچہ راتوں کو اللہ کے حضور دست بستہ کھڑے رہو اور اُس کا کلام پڑھتے رہا کرو! اُسی کے ہو کر رہ جاؤ' توسّل اور توکّل کا رشتہ اب اللہ ہی کی ذات کے ساتھ ہو' اور جو اَعدائے دین اور اَعداءُ اللہ ہیں' مشرکین اور معاندین ہیں' ان کی مخالفت پر صبر کرو اور ان سے قطع تعلق کی روش اختیار کرو۔ اور ان سے یہ قطع تعلق انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ہو تاکہ دعوت و تبلیغ کے آئندہ مراحل میں یہ رکاوٹ نہ بن جائیں۔ ایک طرف یہ ہدایات ہیں' دوسری طرف سورۃ المدثر میں دعوتِ نبوی اور رسالت کا جو فرض منصبی ہے

اس کی ادائیگی کا حکم ہوا : ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ (آیت ۲) کھڑے ہو جایئے اور لوگوں خبر دار کیجئے اُس وقت سے جو آنے والا ہے۔ آخرت سے خبردار کیجئے' اُخروی انجام سے ڈرایئے' ان نیند کے ماروں کو جگایئے۔ فرمایا ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ یہ ہے درحقیقت دعوتِ محمدی ﷺ بلکہ یوں کہئے کہ ہر نبی کی دعوت کا نقطۂ آغاز۔ لیکن حضور ﷺ کی دعوت کا منتہائے مقصود وہ ہے جو اگلی آیت میں وارد ہو : ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ (آیت ۳) اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجئے' اُس کی بڑائی کا اعلان کیجئے اور صرف اعلان ہی نہیں اُس کی بڑائی و تنزیہ کا اس طرح اثبات و نفاذ کہ اللہ واقعی بڑا ہو جائے' اُس کو حقیقتاً بڑا مانا جائے' اُس کا حکم تمام احکام سے اونچا ہو' اُس کا جھنڈا تمام جھنڈوں سے سربلند ہو' اُس کی مرضی تمام مرضیوں سے مقدم ہو۔ یہ اعلائے کلمۃ اللہ' یہ اقامتِ دین' یہ اظہارِ دینِ حق ہی نبی اکرم ﷺ کی جِدّوجُہد کا ہدف اور مقصود ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں دعوتِ محمدی ﷺ کا نقطۂ آغاز اور دوسری آیت میں اس جِدّوجُہد کی آخری منزل بیان ہوئی۔ اور اس سلسلۂ آیات میں بھی جو آخری بات فرمائی گئی وہ یہ ہے ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝﴾ (آیت ۷) اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔ آپ کو اس راہ میں مصائب جھیلنے ہوں گے' مشکلات برداشت کرنی ہوں گی' مخالفتوں کا سامنا ہو گا' طرح طرح کے موانع راستے میں آئیں گے' لیکن آپ ان سب کے باوجود' ان کے علی الرغم اپنے اس فرض منصبی کے ادائیگی میں لگے رہیئے' جھیلئے جو کچھ بھی آپ پر بیتے' برداشت کیجئے جو بھی اغیار یا اعداء کی طرف سے آپ کے راستے میں آئے۔

اس کے بعد سورۃ القیامہ آتی ہے۔ سورۃ القیامہ' سورۃ الدھر اور سورۃ المرسلٰت انتیسویں پارے کی آخری تین سورتیں ہیں اور ان تینوں کا مرکزی مضمون وہی قیامت اور احوالِ قیامت' جنت اور دوزخ کے احوال اور ان کی کیفیات ہیں۔ سورۃ القیامہ کا آغاز ہوتا ہے : ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝﴾ (آیت ۱) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ تمہیں اس کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں' جبکہ میں

اس کو اتنا قطعی اور یقینی جانتا ہوں کہ میں اس کی قسم کھا رہا ہوں۔ اور اگر اس کی دلیل تمہیں اپنے باطن میں مطلوب ہے تو ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۝﴾ (آیت ۲) یہ تمہارا ضمیر، یہ نفسِ ملامت گر سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ جب تمہیں بتاتا ہے کہ کیا خیر ہے اور کیا شر ہے اور یقیناً خیر، خیر ہے اور شر، شر ہے تو اس کے نتائج بھی نکلنے چاہئیں۔ نیکو کاروں کو ان کی نیکو کاری کی جزا ملنی چاہئے اور بد کاروں کو ان کی بد کاری کی سزا ملنی چاہئے۔ اور یہی آخرت اور قیامت ہے۔

سورۃ الدھر میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں۔ اور اس کے بعد نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ اہلِ جنت کس آرام میں ہوں گے، ان کو کیسی کیسی نعمتیں اپنے پروردگار کی طرف سے مل رہی ہوں گی۔

آخر میں سورۃ المرسلٰت ہے، اس میں بھی قیامت اور آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اہل ایمان کو اور کافروں اور مشرکوں کو وہاں جن مختلف صورت ہائے حالات سے دوچار ہونا ہے، اس کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور سزا و عذاب سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

☆ ☆ ☆

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (۳۰)

﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ۝ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ۝ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ۝ ﴾

(النبا : ۱-۵)

قرآن حکیم کا تیسواں اور آخری پارہ ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور پارہ "عَمَّ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس پارہ میں چھوٹی بڑی ۳۷ سورتیں شامل ہیں اور یہ تمام سورتیں، آخر کی چھ چھوٹی چھوٹی سورتوں کو چھوڑ

کر' مکی ہیں اور مکے کے بھی بالکل ابتدائی زمانے سے متعلق ہیں۔ یہ سورتیں اصل میں اس مضمون کا مصداق ہیں جو سورۂ ہود کے بالکل ابتدا میں وارد ہوا : ﴿ الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝ ﴾ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے اس کی آیات محکم کی گئیں' پھر ان کی تفسیر کی گئی۔ ابتدا میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ چھوٹی چھوٹی ہیں' تین تین' چار چار' پانچ پانچ' چھ چھ آیتوں پر مشتمل' لیکن اپنے مضامین کے اعتبار سے اور اپنے معارف و حقائق اور اپنے مفاہیم کے اعتبار سے بالکل ایسے ہیں کہ جیسے بڑے بڑے دریاؤں کو چھوٹے چھوٹے کوزوں میں بند کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ اسی میں سورۃ الاخلاص بھی ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے پورے قرآن مجید کا ایک تہائی یعنی ثلث قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ توحید کے موضوع پر انتہائی جامع سورہ ہے اور توحید ہمارے دین کی تین بنیادوں' یعنی توحید' معاد اور رسالت میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔ اسی تیسویں پارے میں سورۃ العصر بھی ہے جس کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے : "لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ" کہ لوگ اگر اس ایک سورۃ پر تدبر کریں' غور و فکر کا حق ادا کریں تو (تین آیات پر مشتمل) یہ سورۃ ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کافی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان تینوں آیات میں قرآن مجید نے انسانوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا راستہ کھولا ہے۔ بالفاظِ دیگر جس راہِ نجات کے لئے قرآن مجید راہنمائی کر رہا ہے یہاں اس کی پوری جامعیت کے ساتھ تفسیر کر دی گئی ہے۔

اس پارے میں اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں آئی ہیں۔ پہلی سورۃ سورۃ النبا ہے۔ یہ منفرد ہے' جو اصل میں انتیسویں پارے کی سورۃ المرسلٰت کا جوڑا ہے۔ اس میں بڑے پُرشکوہ انداز میں فرمایا : ﴿ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ ﴾ یہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا نقطۂ آغاز ہی قیامت کی خبر اور آخرت کی طرف سے ڈرانا ہے۔ لہٰذا چہ میگوئیاں شروع ہوئیں' لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا خبر ہے جو محمد (ﷺ)

دے رہے ہیں۔ انداز وہی ہے جس کو مولانا حالی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

نتیجتاً ایک ہلچل پیدا ہو گئی' لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کر دیا ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ○ ﴾ (آیات ۱۔ ۳) اُس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ اختلاف میں پڑ گئے۔ فرمایا: ﴿ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (آیات ۴'۵) تم انکار کرتے رہو' اعراض کرتے رہو' وہ گھڑی تمہارے سامنے آئے جائے گی' پھر تمہیں معلوم ہو گا اور تم پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

اس کے بعد ایک جوڑا سورۃ النّٰزعٰت اور سورۃ عبس پر مشتمل ہے۔ ان میں مشترک قدر یہ ہے کہ دونوں میں قیامت کا ذکر ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ○ ﴾ (النّٰزعٰت : ۳۴) ﴿ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ○ ﴾ (عبس : ۳۳) اور قیامت کے احوال کا بیان ہوا ہے۔ سورۂ عبس میں نبی اکرم ﷺ کو تلقین فرمائی گئی کہ کفار میں سے جو لوگ صاحبِ حیثیت' دولت مند اور صاحبِ عزت و وجاہت ہیں' ٹھیک ہے ان کا اپنا ایک مقام ہے' اس اعتبار سے اگر آپؐ ان کی طرف التفات فرمائیں تو حکمتِ دین اور حکمتِ دعوت کے اعتبار سے یہ غلط نہیں ہے۔ لیکن یہ التفات اتنا نہ بڑھ جائے کہ اُن مسلمانوں کا حق تلف ہو جائے جو آپؐ کے پاس چل کر آتے ہیں۔ ﴿ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ○ وَهُوَ يَخْشٰى ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ○ ﴾ (عبس:۹۔۱۰) ایسا نہ ہو کہ ان کے لئے آپ کی طرف سے کسی درجہ میں بھی بے اعتنائی کا اظہار ہو۔ اس طرح سے یہ پارہ دو دو سورتوں کے بڑے حسین و جمیل جوڑوں پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد پھر سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار کا جوڑا آتا ہے۔ ان دونوں میں آخرت کے احوال کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو

جائے گا' اُس دن انسانوں کو پتہ چل جائے گا کہ میں کیا چھوڑ کر آیا تھا اور کیا آگے بھیج کر آیا ہوں۔ سورۃ التکویر میں وحی الٰہی کی سند بھی بیان کی گئی کہ اس کے پہلے راوی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ ﴾ (آیات ۱۹-۲۱) اور دوسرے راوی ہیں حضرت محمد ﷺ ﴿ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○ ﴾ (آیات ۲۲' ۲۳)

پھر سورۂ مطففین اور سورۂ انشقاق پر مشتمل بڑا حسین و جمیل جوڑا ہے۔ دونوں میں انسان کی گمراہی کے دو پہلو سامنے آئے ہیں۔ سورۂ مطفّفین میں کم تولنے اور ماپنے کے بارے میں فرمایا کہ یہ درحقیقت آخرت کے انکار کی علامت ہے اور سورۂ انشقاق میں نقشہ کھینچ دیا گیا ایک شخص اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم بھولا ہوا ہے کہ ایک دن وہ بھی آنا ہے کہ جب اسے جواب دہی کرنی ہے۔

اس کے بعد سورۃ البروج اور سورۃ الطارق کا ایک خوبصورت جوڑا آتا ہے۔ اسی طرح اور آگے چلئے تو سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کا جوڑا ہے' دونوں میں مشترک نکتہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو حکم دیا گیا ﴿ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ ﴾ (الاعلیٰ : ۹) آپ یاد دہانی کراتے رہئے' آپ کا فرض منصبی یہی ہے' دعوت و تبلیغ میں لگے رہئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر جمعہ اور عیدین کی نماز میں یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان دونوں نمازوں کے ساتھ خطبہ ہے اور خطبہ کی غرض و غایت تذکیر اور یاد دہانی ہے۔

اس کے بعد پھر ایک حسین و جمیل جوڑا سورۃ الفجر اور سورۃ البلد کا ہے۔ اس میں اُس وقت کے عرب معاشرے کا ایک پورا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا تفصیلی حال بیان کیا گیا ہے۔

پھر چار سورتیں ہیں' جنہیں "چہار سورۂ نور و ظلمت" کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ اس لئے کہ یہاں متضاد چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی' آسمان کی بلندی ہے تو زمین کی

پستی ہے' دن کی روشنی ہے تو رات کی تاریکی بھی ہے ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ ﴾ (الشمس : ۱'۲) اگلی سورۃ میں فرمایا : ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ ﴾ (الیل : ۱'۲) رات اور اس کی تاریکی' دن اور اس کی روشنی کا ذکر ان تینوں سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ الشمس میں تزکیۂ نفس کو بھی اسی انداز میں موضوع بنایا گیا۔ فرمایا: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ ﴾ (آیات ۹'۱۰) جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۔ اور جس نے اس کو اپنے خاکی وجود میں دفن کرکے رکھ دیا وہ ناکام و نامراد ہوا۔ اگلی سورۃ الیل میں اس کی شرح بیان ہوئی اور مقامِ صدیقیت تک کا ذکر ہوا۔ اس سے اگلی دو سورتوں سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور آپؐ کی تسلی و تشفی اور دلجوئی اس طریقے سے کی گئی ہے جس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

اس کے بعد سورۃ التین ہے جس میں یہ بات سامنے لائی گئی ہے کہ انبیاء و رُسل علیہم السلام درحقیقت اپنی شخصیتوں کے اعتبار سے اس بات کا ثبوت ہیں کہ نوعِ انسانی کی تخلیق جو ہوئی ہے وہ گھٹیا پیمانے پر نہیں ہوئی ہے' بلکہ ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ ﴾ (التین : ۴) کہ ہم نے انسان کو نہایت اچھی صورت بخشی۔ دیکھو ہمارے بندے محمد ﷺ کو' ہمارے بندے موسیٰ علیہ السلام کو جو کوہِ طُور پر ہم سے ہمکلام ہوئے' ہمارے بندے عیسیٰ علیہ السلام کو جو زیتون کے جُھنڈوں میں تبلیغ کرتے رہے' ہمارے بندے نوح علیہ السلام کو جو انجیر کے درختوں میں' اُن پہاڑوں پر کہ جہاں انجیر کے درخت بکثرت ہوتے ہیں دعوتِ ایمان دیتے رہے۔ پھر سورۂ اِقرأ یا سورۃ العلق ہے' جس کے آغاز میں قرآن مجید کی پہلی وحی کی آیات شامل ہیں۔ پھر سورۃ القدر اور سورۃ البینۃ ہیں' جو انتہائی جامعیت کی حامل ہیں۔

اس کے بعد چار پانچ سورتیں آتی ہیں جن میں بالخصوص قیامت کا ذکر ہے : ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ ﴾ اور ﴿ اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ○ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ

(باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

درس ۱۳

اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ کی روشنی میں

(۲)

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلاًO ﴾ (آیت ۳۲)

زنا کا مکمل سدِّباب

اس آیۂ مبارکہ میں زنا کی جس شدت کے ساتھ ممانعت وارد ہو رہی ہے' وہ لفظ "لَاتَقْرَبُوْا" سے ظاہر ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الفرقان میں بھی اس برائی کا ذکر آیا تھا' لیکن وہاں اسلوب مختلف تھا۔ وہاں عباد الرحمٰن کے اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف یہ بیان کیا گیا کہ ﴿ وَلَایَزْنُوْنَ ﴾ "وہ زنا نہیں کرتے" جبکہ یہاں انتہائی تاکیدی انداز سے نہی کے اسلوب میں حکم فرمایا جا رہا ہے کہ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی ﴾ "زنا کے قریب تک نہ پھٹکو"۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے معاشرتی اور سماجی نظام میں اس سماجی برائی (Social Evil) کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کی گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بہت دُور دُور تک قدغنیں لگائی گئی ہیں تاکہ کوئی اس فحش کام کے قریب تک نہ پھٹک سکے۔ اس لئے کہ ہمارے معاشرے اور ہمارے سماج میں عصمت و عفت اور پاک دامنی (Chastity) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ایک اسلامی معاشرے میں ہر ممکن تدبیر اور احتیاط اختیار کی جائے گی کہ اس بدکاری کے جو بھی محرکات' اسباب اور داعیات ہو سکتے ہیں' ان سب کے لئے بند شیں اور قدغنیں ہوں۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ نوٹ کیجئے کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں بھی یہ وضاحت آئی ہے اور انجیل میں بھی یہ مضمون موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اس لفظ زنا کی وسعت کو ظاہر کیا ہے کہ یہ مجرد وہ فعل نہیں ہے جو اس لفظ سے عام طور پر مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں الفاظ آتے ہیں ((زِنَا الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ)) "آنکھوں کی بد کاری نظربازی ہے"۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھوں کی بھی بد کاری ہے' پاؤں کی بھی بد کاری ہے' زبان کی بھی بد کاری ہے' کانوں کی بھی بد کاری ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے یہ تمام اعضاء و جوارح بد کاری میں اپنا اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ان تمام راستوں کو بند کیا گیا ہے جن کے باعث انسان کے اس جذبہ میں اشتعال و ہیجان پیدا ہو۔

یہ حقیقت پسندانہ ہدف معین کرنے کے بعد کہ ہمیں اپنے معاشرے میں عصمت و عفّت اور آبرو کی حفاظت کا اہتمام کرنا ہے اور بد کاری کا سدِّباب کرنا ہے' اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام میں اس کے لئے کیا تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن مجید میں جو لفظ "زنا" آیا ہے اور جس نے ہمارے دین میں ایک اصطلاح کی شکل اختیار کر لی ہے' اس ایک لفظ میں انگریزی زبان میں مستعمل تین الفاظ "fornication" "adultery" اور "rape" کا مفہوم موجود ہے۔

سب سے پہلے مثبت تدابیر کو لیجئے۔ ان میں اہم ترین مثبت تدبیر نکاح کو آسان بنانا ہے۔ اس لئے کہ اگر نکاح مشکل ہو' ہزاروں لاکھوں روپے کے انتظام کے بغیر نکاح نہ ہو سکے تو ظاہر بات ہے کہ شہوت کے جبلی تقاضے کی تسکین کے لئے بد کاری کی طرف رجحان ہو گا۔ جب تک جائز راستے کو کھولا نہ جائے اور اسے آسان نہ بنایا جائے اس وقت تک ناجائز راستوں کو بند کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جس طرح پانی کے بہاؤ کے راستہ میں رکاوٹ ہو تو وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر سے اپنا راستہ بنا لیتا ہے' اسی طرح جنسی جذبے کی آسودگی کے جائز راستوں کو مشکل بنا دیا جائے گا تو وہ ناجائز راستے تلاش کرے گا۔ لہٰذا اسلامی معاشرے میں زنا کے فعل قبیح کو روکنے والا اہم قدم تسہیلِ نکاح یعنی نکاح کو آسان بنانا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کے لئے رسومات کا کوئی طومار

نہیں۔ نہ ہی یہ نام و نمود کی نمائش اور دھوم دھڑکے کے اظہار کا کوئی ذریعہ ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہمارے یہاں بدقسمتی سے جو کچھ ہوتا ہے وہ درحقیقت ایک ملغوبہ ہے کہ ہم نے کچھ چیزیں تو اسلام کی اختیار کیں اور کچھ ہندووانہ معاشرت کی اپنالیں۔ ہماری آبادی کی اکثریت ان ہندوؤں کی نسل سے تعلق رکھتی ہے جو ہندوستان میں آباد تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ نومسلم اپنی سابقہ رسومات' روایات اور رواجات بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ چنانچہ ہماری سماجی رسومات ایک کھچڑی ہے۔ ان میں ہندوانہ رسومات بھی شامل ہیں اور کچھ اسلامی افعال و اعمال کو بھی ہم نے ان میں داخل کرلیا ہے۔ ورنہ یہ دھوم دھڑکا' یہ جہیز دینے کی رسم اور یہ بارات کا تصور' جیسے ایک لشکر کہیں فتح کرنے کے لئے جارہا ہو اور پھر بہت سی دوسری لغو اور فضول رسومات' یہ سب کچھ ہندوانہ پس منظر کی حامل چیزیں ہیں۔ اسلام کا معاملہ نہایت سادہ طریق پر ایجاب و قبول ہے۔ اسلام نے شادی کا جشن (celebration) لڑکے کے ذمہ رکھا ہے کہ وہ دعوتِ ولیمہ کرے اور اپنی وسعت کے مطابق اپنے اعزہ و اقارب اور احباب کو اپنی خوشیوں میں شامل کرے۔ پس پہلی چیز تو یہ ہے کہ نکاح کے راستے کو آسان بنایا جائے تاکہ کسی بھی نوجوان کا دھیان غلط رُخ کی طرف نہ جائے۔

دوسرا مثبت طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ جنسی جذبہ کو ہیجان اور اشتعال دینے والی تمام چیزوں کو سختی سے روک دیا گیا ہے۔ مثلاً شراب کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ یہ انسان کے جنسی داعیہ کو اُکساتی ہے۔ بعض دوسری منشیات کا اثر بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اسلام ان کو حرام قرار دیتا ہے تاکہ انسان بے خود ہو کر آپے سے باہر نہ ہو جائے۔ اس کی خودی کی گرفت اس کے پورے وجود پر رہے' اس کا شعور معطل نہ ہو اور وہ جنسی ہیجان سے شکست نہ کھا جائے' بلکہ ہر طرح سے بیدار رہے۔ اسی طرح رقص اور موسیقی کا بھی اسلامی معاشرے میں سدباب کیا گیا ہے' کیونکہ یہ بھی جنسی جذبے میں ہیجان پیدا کرتی ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب تک ان چیزوں کا سدباب نہیں ہوگا جن کے متعلق اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے سے بیخ و بُن کی طرح اُکھڑ جائیں' اُس وقت تک زنا کی روک تھام ممکن نہیں ہوگی۔

پھر اسلام اپنے معاشرے میں مَردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کو پسند نہیں کرتا بلکہ مَردوں اور عورتوں کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار متعین کرتا ہے۔ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب میں فرمایا : ﴿ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ﴾ (آیت ۳۳) "اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور سابقہ دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عورت ضرورت کے تحت بھی گھر سے نہیں نکل سکتی۔ اسے ضرورت کے تحت نکلنے کی اجازت ہے اور اس کے لئے بھی اسی سورۂ مبارکہ میں حکم موجود ہے کہ ﴿ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ﴾ (آیت ۵۹) یعنی وہ اپنے پورے وجود کو ایک چادر میں لپیٹ کر چہرے پر ایک پلو اس طرح لٹکا لیا کریں کہ راستہ آسانی سے دیکھ سکیں اور حجاب کا تقاضا بھی پورا ہو سکے۔ یہاں میں نے "ضرورت کے تحت" کی جس قید کا ذکر کیا ہے وہ خود نبی اکرم ﷺ نے لگائی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا : ((قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ)) "اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو"۔ مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ میں بناؤ سنگار اور سج دھج کے ساتھ گھر سے نکلنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس فعل کو جاہلیت کا فعل قرار دیا گیا ہے۔

اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو ﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ آیت کے اس حصے میں دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں' ایک یہ کہ اس میں لفظ "حجاب" آیا ہے جس کے معنی ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ "پردہ" کے ہیں۔ دوسری یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا جا رہا ہے جن کے لئے ازواج مطہرات بمنزلہ روحانی ماں ہیں' جو اُمّہات المؤمنین ہیں' کہ ان سے بھی اگر کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگیں۔ یہ اسلوب اس بات پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ اسلام اپنے معاشرتی نظام میں مَردوں اور عورتوں کے مابین اختلاط کو روکنے کے لئے کیسی کیسی احتیاطیں ملحوظ رکھ رہا ہے۔ اس ضمن میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ کہیں

تنہائی میں نامحرم مَرد اور عورت اکٹھے نہ رہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کہیں نامحرم مَرد اور عورت اکیلے ہوں گے وہاں تیسرا شیطان موجود ہو گا۔

اب آگے بڑھئے' لباس کے سلسلے میں ہماری تہذیب و تمدن کی جو روایات بنی ہیں وہ یوں ہی نہیں بن گئیں۔ اسلام نے ستر کا تصور دیا ہے اور اس کے لئے مستقل احکام دیئے ہیں۔ ستر سے مُراد جسم کے وہ حصے ہیں جو ڈھکے رہنے چاہئیں۔ ستر پوشی کا شعور اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت و فطرت میں رکھا ہے۔ چنانچہ وحشی سے وحشی قبائل کو بھی آپ جا کر دیکھیں تو چاہے ان کا پورا جسم ننگ دھڑنگ ہو لیکن وہ پتّوں سے اپنے جسم کے کچھ حصوں کو چھپاتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ تقاضائے فطرت ہے۔ اسلام کی رُو سے مَرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے کے نچلے حصہ تک ہے' اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑنی چاہئے' یہ ہر حال میں ڈھکا رہنا چاہئے۔ چنانچہ کسی بیٹے کے سامنے باپ کے جسم کا بھی یہ حصہ نہیں کھلنا چاہئے۔ اسی طرح کسی بھائی کے سامنے اس کے بھائی کا بھی یہ حصہ نہیں کھل سکتا' یہ ستر ہے۔ اب عورت کے بارے میں دیکھئے۔ عورت کے بارے میں فرمایا گیا کہ ((اَلْمَرْءَۃُ عَوْرَۃٌ)) یعنی "عورت کا پورا جسم ستر ہے"۔ واضح رہے کہ لفظ "عورت" کا معنی ہی چھپانے کے قابل شے ہے۔ اسی طرح ہمارے یہاں عورتوں کے لئے لفظ "مستورات" استعمال ہوتا ہے' مستور ستر سے بنا ہے' اس کے معنی چھپی ہوئی شے کے ہیں۔ اس سے مستثنیٰ عورت کے جسم کے صرف تین حصے ہیں' چہرے کی ٹکیہ' ہاتھ اور ٹخنے سے نیچے پاؤں۔ یہ تین حصے ستر نہیں ہیں' باقی پورا جسم ستر ہے۔ عورت کا سر بلکہ بال بھی ستر میں داخل ہیں۔ اب سمجھئے کہ ستر کے کیا معنی ہیں! یہ کہ عورت کے جسم کے ان تین حصوں کے سوا کسی اور حصے پر اس کے بھائی یا باپ کی نگاہ بھی نہیں پڑنی چاہئے۔ یہ حصے ہر حال میں مستور رہیں گے۔ ستر سے آگے کا معاملہ شوہر اور بیوی کے لئے ہے۔ البتہ کسی اشد اور ناگزیر صورتحال میں مرد یا عورت کے ستر کا کوئی حصہ طبیب' ڈاکٹر یا جراح کے سامنے کھولا جا سکتا ہے۔ باقی باپ' بیٹا' بھائی' بہن ان سب کے لئے ستر کی پابندی ضروری ہے۔

اسی ستر کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا کہ عورت کا ایسا لباس جس سے بدن چھلکتا ہو یا اس کی رعنائیاں نمایاں ہوتی ہوں ستر نہیں ہے' بلکہ ایسا لباس پہننے والی

عورتوں کو حضورؐ نے "کَاسِیَاتٍ عَارِیَاتٍ" قرار دیا ہے' یعنی لباس پہننے کے باوجود یہ عورتیں عریاں ہیں۔ صحیح بخاری میں اُمّ المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طویل روایت کے آخری الفاظ ہیں : ((رُبَّ کَاسِیَةٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَةٌ فِی الْآخِرَةِ)) "دنیا میں کپڑے پہننے والی بہت سی عورتیں آخرت میں عریاں ہوں گی"۔ حدیث کے ان الفاظ سے ایسے باریک اور ایسے چست کپڑے پہننا مراد ہے جن سے جسم چھلکے یا عورت کی رعنائی کی چیزیں نمایاں ہوں۔ ایسی عورتوں کو کپڑے پہننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی قرار دیا ہے۔

ایک مزید چیز جو ہماری تہذیب کا جزو ہے اور جو ہماری معاشرت میں قرآن مجید کے حکم کے مطابق داخل ہوئی ہے وہ عورت کا دوپٹہ یا اوڑھنی ہے۔ ہماری معاشرت' ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن کی اساسات کتاب اللہ میں موجود ہیں' اس کا تفصیلی ڈھانچہ جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہے' پھر وہ ہماری معاشرتی زندگی میں پیوست ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں دوپٹہ کا جو تصور اور استعمال ہے اس کا حکم بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ سورۃ النور میں فرمایا : ﴿ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ﴾ "اور عورتیں اپنے سینوں پر اپنی چادروں کے آنچل ڈال لیا کریں"۔ یعنی بکل مار لیا کریں۔ چاہے کسی خاتون نے کرتا پہنا ہوا ہے اور وہ موٹا بھی ہے' ڈھیلا بھی ہے' اس سے جسم تو ڈھک گیا' لیکن ابھی مزید کی ضرورت ہے' اور وہ دوپٹہ یا اوڑھنی ہے جسے اوڑھ کر عورت کا سر' سینہ' کمر سب اچھی طرح ڈھک جائیں۔ اگرچہ اِس دَور میں مغربی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے ہمارا تمدن اس اعتبار سے ایک ملغوبہ بن رہا ہے کہ کچھ اسلامی اقدار بھی موجود ہیں' کچھ مغربی اقدار بھی آ گئی ہیں اور اس میں کچھ ہندووانہ رسوم و رواج بھی شامل ہیں' ان سب کے امتزاج سے ہمارے معاشرے میں فی الوقت ایک عجیب کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ چنانچہ ہماری نوجوان لڑکیاں جس قسم کا دوپٹہ استعمال کرتی ہیں وہ اس حکم کے منشاء کو پورا نہیں کرتا بلکہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ یہ بات گھر میں بھی پسندیدہ نہیں ہے کہ نوجوان لڑکی کا سینہ بغیر دوپٹے کے ہو۔ کون نہیں جانتا کہ عورت کے جسم میں سب سے زیادہ جاذبِ نظر اس کا سینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حکم دیا جا رہا ہے کہ ﴿ وَلْیَضْرِبْنَ

بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ﴾

پھر اسی سورۃ النور کی آیت ۳۰ میں تمام اہل ایمان مَردوں اور آیت ۳۱ کی ابتداء میں تمام مسلمان خواتین کو غض بصر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ مَردوں کے لئے فرمایا : ﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ "(اے نبیؐ) مؤمن مَردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں"۔ اسی طرح عورتوں کے لئے فرمایا : ﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ "اور (اے نبی) مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں"۔ ان آیات میں غض بصر سے مُراد نگاہ بھر کر دیکھنے کی ممانعت ہے۔ یعنی مَرد اپنی بیوی کے علاوہ کسی محرم خاتون کو بھی اور عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی محرم مَرد کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھے۔ جب محرموں کے نگاہ بھر کر دیکھنے کی ممانعت کی جا رہی ہے تو غیر محرموں کے لئے خود بخود اس پابندی کا وزن بہت بڑھ جائے گا۔ چنانچہ اس قسم کی دیدہ بازی کو حدیث شریف میں آنکھ کے زنا سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ایک طویل روایت میں ہے : ((اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ)) "آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر بازی ہے"۔ ایک اور مشہور حدیث کا مفہوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سرخیلِ اَتقیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے علی، کسی نامحرم پر اچانک اور بلا ارادہ پہلی نگاہ کا پڑ جانا معاف ہے، لیکن ارادتاً دوسری نگاہ ڈالنا قابل مواخذہ ہے"۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ قرآن مجید ہمیں کیا احکام دے رہا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں۔ ان سب کے جو اثرات ہمارے تمدن پر مترتب ہوئے ہیں وہ بہت واضح ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ مسلمان عورت کا ساتر لباس کیسے وجود میں آیا! مسلمانوں کے گھروں کی تعمیر کا کیا مزاج بنا! آج کل کے کوٹھی نما طرز تعمیر کے وجود کو پچاس ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، ورنہ مسلمان چاہے امیر ہوتا تھا چاہے غریب، گھر خواہ بڑا ہوتا تھا خواہ چھوٹا، اس میں زنانہ اور مَردانہ حصے علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ پہلے مَردانہ حصہ آتا، پھر ڈیوڑھی ہوتی اور اس ڈیوڑھی سے آگے زنانہ حصہ ہوتا اور زنانہ حصے کے صحن کے چاروں طرف تعمیر ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کے زیر اثر اپنے تمدن میں اس طرز تعمیر کو ترقی اور نشو و نما دی ہے۔

الغرض اسلام نے محرکاتِ زنا کے سدباب کے لئے بہت دُور رس اقدامات کئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے بیان پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ ان پابندیوں اور قدغنوں کا مقصود یہی ہے کہ بد کاری کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ یہ بے حیائی کا کام تو ہے ہی' یہ ایک بہت بُرا راستہ بھی ہے جس پر کوئی معاشرہ پڑ جائے تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اب غور کیجئے' اِس دَور میں ایک طرف تو فرائڈ کا نظریہ ہے اور نفسیات کا کون سا طالب علم یہ نہیں جانتا کہ اس نے جنس کو کس قدر مؤثر عامل مانا ہے۔ اس کے فلسفہ کی رُو سے اس کے انسانی زندگی کے تمام تفصیلی ڈھانچہ میں جنسی جذبہ کہیں نہ کہیں کار فرما ہے اور اس کے اثرات کم و بیش موجود ہیں۔ حد یہ ہے کہ اس کے فلسفہ کے مطابق اگر ایک باپ اپنی چھوٹی بچی کو پیار کرتا ہے اور ایک ماں اپنے چھوٹے بچے کو گود میں لے کر اس کو چومتی ہے تو وہ اس کا محرک بھی جنس کو قرار دیتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف ہم اپنے آپ کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ اسلام میں ستر و حجاب کی یہ پابندیاں اور قدغنیں شاید ثقافت' تہذیب اور تمدن کے اعتبار سے پس ماندہ لوگوں کے لئے ہوں گی۔ یہ ہمارا ایک علمی و فکری تضاد ہے۔ فرائڈ نے اپنے نظریہ کی بنیاد اپنے تجربات و مشاہدات پر رکھی ہے اور یہ یقیناً گمراہی ہے اور اس میں نہایت مبالغہ ہے۔ لیکن اگر اس کا دسواں حصہ بھی صحیح ہو تو جو نظام اسلام نے دیا ہے اس کے بغیر اس قسم کی برائیوں کی روک تھام ممکن نہیں ہے۔

یہ مثبت اقدامات کرنے کے بعد اب اسلام منفی قدم اٹھاتا ہے اور وہ ہے حدود و تعزیرات۔ ان پابندیوں اور قدغنوں کے باوجود اگر کوئی شخص گندگی میں منہ مارتا ہے' بد کاری میں ملوث ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے' اس کے اندر گندگی گھر کر چکی ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کے لئے سزا بہت سخت ہے۔ یعنی کوئی غیر شادی شدہ مرد یا عورت اس قبیح فعل میں ملوث ہو جائے تو اس کی سزا اسلام نے سو کوڑے رکھی ہے جبکہ شادی شدہ مرد و عورت میں سے کوئی اس کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے۔ غیر شادی شدہ کے لئے عقل و منطق کی رو سے کسی قدر رعایت کا معاملہ سمجھ میں آتا ہے' کیونکہ اس کے لئے اپنی جبلت کے مُنہ زور تقاضے کو پورا کرنے کا کوئی

جائز راستہ موجود نہیں ہے' لہٰذا ایسا فرد غلط رُخ پر پڑ گیا ہے تو کچھ نرمی کا مستحق ہے۔ چنانچہ ایسے افراد کے لئے سو کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔ لیکن شادی شدہ مَرد و عورت کے لئے رجم کی سزا ہے' جس کو دینی اصطلاح میں "حد" کہا جاتا ہے' یعنی ایسے افراد کو بر سرِ عام سنگسار کر دیا جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ رجم کی سزا بہت سخت سزا ہے' لیکن اس کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ سب سے نمایاں حکمت تو یہ ہے کہ اس سزا سے پورا معاشرہ عبرت پکڑے اور اس قبیح فعل کے ارتکاب سے مجتنب رہے۔ دوسری حکمت یہ نظر آتی ہے کہ شادی شدہ جوڑے میں باہمی محبت و اعتماد کا رشتہ مضبوط رہے۔ تیسری حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حسب و نسب میں خلل واقع نہ ہو۔ البتہ یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ زنا کی اتنی ہولناک سزا رکھنے کے ساتھ یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ اس فعل قبیح کی شہادت دینے والے چار عینی گواہ موجود ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس فعل کو اس طور پر انجام دینا کہ چار چشم دید گواہ بھی موجود ہوں اس فعل کی شناعت و قباحت میں کئی گنا اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ یہ گویا معاشرے کے لئے سرطان کے پھوڑے کی مانند ہے' جس سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لئے لازمی ہے کہ اس کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں رجم کی سزا اقراری مجرموں کو دی گئی ہے۔ یعنی ان افراد کو جن کے ضمیر نے اتنی ملامت کی کہ انہوں نے عذابِ اُخروی سے نجات پانے کے لئے اپنے اس گناہ کا اعتراف کر کے اس دنیا کی سزا قبول کر لی تاکہ وہ اس سزا کے بعد یہیں پاک ہو جائیں اور آخرت کی عقوبت سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے جملہ محرکات سے محفوظ و مامون رکھے۔

قتلِ ناحق کی ممانعت

اگلا حکم ارشاد ہوا : ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ "نہ قتل کرو کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ"۔ یہ الفاظ بڑے قابل غور ہیں۔ انسانی جان بہت محترم ہے۔ انسان کی جان کا ناحق لے لینا' خونِ ناحق بہانا' یہ بہت

بڑا جرم ہے' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ترتیب میں تو شرک کے بعد یہی آتا ہے' اس کے بعد زنا کا معاملہ آئے گا۔ اس لئے کہ تمدن کی اصل اساس اور جڑ تو یہی ہے۔ انسان کو جو متمدن حیوان اور Gregarious Animal کہا جاتا ہے تو اس کے تمدن کی جڑ یہی احترامِ جان ہے۔ اگر کسی معاشرے میں ایک دوسرے کی جان کا احترام ہی نہ رہے تو ظاہر بات ہے کہ گویا تمدن کی جڑوں پر کلہاڑا رکھ دیا گیا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو سورۃ المائدہ میں ہابیل اور قابیل کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ جس کسی نے ایک انسان کی جان بھی ناحق لی ﴿ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ "اس نے تو گویا پوری نوع انسانی کو قتل کر دیا' اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری نوع انسانی کی جان بچائی"۔ اس لئے کہ حقیقتاً قتل ناحق انسانی تمدن کی جڑوں کو کاٹتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ "جس جان کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اس کو قتل نہ کرو۔"

اس کے ساتھ ہی فرمایا : ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ یہاں استثناء بیان کر دیا گیا کہ "مگر حق کے ساتھ۔" اب یہ بہت اہم معاملہ ہے۔ "بِالْحَقِّ" سے مراد ہے "قانون کے تحت" جہاں کہیں حق واقع ہو جائے۔ اس حق کے واقع ہونے کی شریعت اسلامی نے چند صورتیں معین کر دی ہیں۔ قتل عمد کی سزا میں ایک صورت یہ ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے۔ اس سزا کی ایک دوسری متبادل صورت بھی ہے جو بعد میں عرض کی جائے گی۔ بہرحال قتل عمد کی سزا کے طور پر کسی قاتل کو قتل کر دینا "اِلَّا بِالْحَقِّ" کی پہلی صورت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ (جیسا کہ پچھلی آیت کی وضاحت میں بیان کیا گیا) اگر کوئی شادی شدہ مرد یا عورت زنا کا ارتکاب کرے تو قانونِ اسلامی میں اس کی سزا بھی موت ہے' بلکہ بڑی بھیانک اور عبرتناک موت جس کو ہم رجم یعنی سنگسار کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں اگر کوئی مسلمان مرتد ہوتا ہے تو اس کی سزا بھی اسلامی قانون میں قتل ہے۔ اور چوتھی شکل ہے حربی کافر کا قتل' یعنی جس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہو چکا ہو۔ کافر اگر ذمی ہے تو وہ اسلامی ریاست کا شہری ہے' اسلامی ریاست نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے' اس کی جان بھی اتنی ہی محترم ہے جتنی کسی بھی مسلمان

شہری کی۔ تو یہ چار صورتیں ہیں کسی انسان کی جان لینے کی جن کو شریعت اسلامی نے جائز اور صحیح قرار دیا ہے۔ انسانی جان کا احترام لازم ہے' انسانی تمدن کی یہی جڑ' بنیاد اور اساس ہے۔

اس کے بعد فرمایا : ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ﴾ جو شخص ناحق قتل ہوا ہے' یعنی بِالْحَقِّ قتل نہیں ہوا بلکہ قتل ناحق کا شکار ہوا ہے' اس کے ورثاء کو ہم نے ایک اختیار (سلطان) دیا ہے۔ سلطان کے معنی سند اور اختیار کے ہیں۔ بادشاہوں کی طرف سے اگر کوئی فرمان آتا ہے تو وہ بھی سلطان ہے۔ تو یہ سلطان' اللہ کی طرف سے اس مقتول کے ورثاء کو حاصل ہوتا ہے جس کو ناحق قتل کیا گیا ہو۔ اس کے ولی اور اس کے وارث کو قاتل کے سلسلے میں ایک اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ قاتل کی جان لے سکتا ہے۔ گویا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ضمن میں مالک اور مختار بنا دیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامی نے اسے یہ قانونی حق دیا ہے۔ قانون کی مشینری اور حکومت کا نظام صرف یہ کریں گے کہ قاتل کو پکڑیں گے۔ اس پر جرم کے اثبات اور ثبوت کے سلسلے میں ساری کارروائی حکومت کے ذمے ہے' لیکن آخری فیصلے کے معاملے میں مقتول کے ورثاء کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو خون کے بدلے خون لیں' جان کے بدلے جان لیں' اور چاہیں تو جان بخشی کر دیں ـــــ اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں' چاہیں تو احسان کریں اور بغیر کسی معاوضے کے معاف کر دیں اور چاہیں تو خون بہا قبول کر لیں۔ یہ بڑا حکیمانہ قانون ہے' اگرچہ ظاہر ہے کہ کسی قبائلی معاشرے میں اس کا جتنا scope تھا ہمارے جدید معاشرے میں اس کا سکوپ اتنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ قبائلی نظام میں مقتول کے ورثاء کا تعین ہوتا ہے' یہ سارا معاملہ بالکل کھلا ہوتا ہے' لیکن یہاں اب ہماری شہری سوسائٹی میں تمدن کے اس مرحلہ میں کچھ معاملات اتنے واضح نہیں ہیں جتنے کہ اُس دَور میں ہوتے تھے۔ بہرحال اسلامی قانون میں یہ ایک امکان اور متبادل موجود ہے۔ اور واقعتاً جان بخشی کی بڑی برکات ہیں۔ اس لئے کہ اس سے جو انتقامی قتل کا سلسلہ چلا کرتا ہے اس کے رُکنے کے بڑے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک تو واقعہ یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کے زخم پر گویا کہ مرہم رکھا جاتا ہے۔

انہیں اُس وقت ایک عجیب تسکین ہوتی ہے جب انہیں یہ احساس ہو جائے کہ اب قاتل کی جان ہمارے ہاتھ میں ہے' ہم چاہیں تو بخشیں اور چاہیں تو اس کا خون بہادیں۔ یہ اختیار حاصل ہو جانا زخمی دلوں کے لئے اپنے اندر مرہم کی تاثیر لئے ہوئے ہے۔ اور پھر یہ کہ اگر کسی مقتول کے ورثاء کی طرف سے اتنا بڑا معاملہ ہو جائے کہ قاتل کی جان ان کے قابو میں آنے کے بعد انہوں نے اس کو بخش دیا ہو تو یہ چیز معاشرے کے اندر بڑے صحت منداور مثبت نتائج پیدا کرنے والی ہے۔ بجائے اس کے کہ دشمنی پر دشمنی اور قتل در قتل کا سلسلہ چلتا جائے یہ چیزیں اس معاملے کے اندر بہت بہتر صورت حال سامنے لاتی ہیں۔ بہرحال یہ ہے قتل نفس کی شناعت اور اہمیت کہ یہ تین سب سے بڑے گناہوں میں سے ہے۔

اس قتل ناحق کے سلسلے میں مقتول کے ورثاء کو بھی ایک ہدایت دی گئی کہ ﴿ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ﴾ کہ وہ قتل کے معاملے میں حد سے آگے نہ بڑھیں۔ اسراف فی القتل کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُس سوسائٹی میں مختلف قبائل مدعی تھے کہ ہماری عزت زیادہ ہے' ہمارے ایک شخص کی جان کسی دوسرے قبیلے کے دو افراد کی جان کے برابر ہے' ہمارا اگر ایک قتل ہوا ہے تو اس قبیلے کے دو افراد قتل کئے جائیں گے۔ یہ اسراف فی القتل کی ایک صورت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے تو اب وہ خود اسے اذیتیں دے دے کر اور اس کے اعضاء کو ایک ایک کر کے کاٹ کر قتل کریں اور اسے پوری طرح اپنے انتقامی جذبے کا تختہ مشق بنائیں۔ یا یہ کہ خون بہا لے لیا جائے لیکن پھر بھی دلی کدورت ختم نہ ہو' انتقامی جذبات پھر بھی موجود رہیں۔ یا یہ کہ قتل کے بدلے قتل بھی ہو گیا ہے پھر بھی جذبات ٹھنڈے نہیں ہو رہے اور مزید قتل کیلئے دل کے اندر عزائم اور ارادے پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہ ساری صورتیں اسراف فی القتل کی ہیں۔ چنانچہ ﴿ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ﴾ کے زیر عنوان ان سب کا سدِّباب کر دیا گیا۔ آگے فرمایا : ﴿ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ﴾ اسلامی معاشرہ مقتول کے ورثاء کو مدد دے گا کہ وہ اپنا قصاص اور انتقام حاصل کریں۔ لیکن بہرحال ان کے لئے بھی کچھ حدود ہیں کہ جن کا انہیں پابند ہونا ہے۔

مالِ یتیم کے بارے میں احتیاط کا حکم

اس کے بعد جو اخلاقی ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی چیز آئی ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيْمِ ﴾ "یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو"۔ یہاں بھی وہی انداز ہے جو زنا کے بارے میں آیا کہ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى ﴾ تو فرمایا : ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ "یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو' سوائے اس طور اور طریقے کے جو بہت ہی اعلیٰ اور بہت ہی عمدہ ہو"۔ اس میں درحقیقت ہدایت دی جارہی ہے اُس معاشرے کو جس میں یہ رواج تھا کہ ایک طرف تو وراثت کو سمیٹنے کی کوشش کی جاتی تھی اور متوفّٰی کا بڑا لڑکا یا بڑے لڑکے پوری کی پوری وراثت پر قابض ہو جاتے تھے۔ تعدّدِ ازدواج تو وہاں موجود تھا۔ اب ہو تا یہ کہ ایک شخص نے ابھی چند سال ہوئے شادی کی ہے' اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اس کی پہلی شادی سے جوان اولاد موجود ہے' اب اس کا جو بھی ترکہ ہے اس پر وہ جوان بیٹے قابض ہو گئے ہیں اور اس کی نابالغ اولاد بالکل محروم ہو گئی ہے' بلکہ محتاج ہو کر معاشرے میں بھیک مانگنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ یا یہ کہ کسی یتیم کا کوئی ولی اور سرپرست ہے اور مختلف بہانوں اور طریقوں سے یتیم کا مال ہڑپ کر رہا ہے۔ ایک دوسرے کے مال کو ساتھ ملا کر بظاہر تجارت میں یتیم کا مال شامل کر لیا گیا ہے' لیکن مختلف حیلوں بہانوں سے کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح اس کے مال کو ہڑپ کر لیا جائے۔ تو یہاں اس پس منظر میں ایک بڑی ہی اہم ہدایت دی جارہی ہے کہ مالِ یتیم کو اپنے لئے مطلق حرام جانو' یوں سمجھو کہ یہ آگ ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا بھی ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ (النساء : ۱۰) انہیں جاننا چاہئے کہ اِس وقت تو یہ مال بڑا محبوب اور مرغوب نظر آرہا ہے لیکن آخرت میں یہ آگ کے انگارے بنیں گے۔ تو یہاں فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو مگر بہت ہی اعلیٰ طریقے پر' احتیاط کے ساتھ' اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے' اس کے مال کا اپنے آپ کو محافظ جانتے ہوئے۔ ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ﴾ "یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔" اسے اپنے نفع اور نقصان کی خود سمجھ حاصل ہو جائے' اپنے پاؤں

پر کھڑے ہونے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ تو اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ وہ تمام مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

یہ مالِ یتیم کے سلسلے میں ابتدائی ہدایتیں ہیں۔ اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کو سننے اور اسے پڑھنے کا انداز یہ تھا کہ جو احکام اس میں وارد ہوتے تھے وہ ان پر آخری امکانی حد تک عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ بہت سے ایسے صحابہؓ، جن کے زیر تربیت، زیر کفالت یا زیر سرپرستی کچھ یتیم تھے اور ان کا بھی کچھ مال تھا، انہوں نے اس سلسلے میں انتہائی احتیاط شروع کر دی۔ مثلاً کوئی یتیم ہے اور اس کا باغ ہے، کوئی یتیم ہے اور اس کا بھی کوئی بھیڑوں اور بکریوں کا گلہ ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ جو یتیم کا ولی اور سرپرست ہے وہی اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ تو یہاں تک کیا گیا کہ یتیم کی ہنڈیا اس کے مال میں سے علیحدہ پکے گی، تاکہ اس کا مال اور ہمارا مال کہیں مشترک ہانڈی میں جمع ہو کر گڈمڈ نہ ہو جائے اور مبادا اِس کے مال میں سے کوئی بوٹی یا اس کے شوربے میں سے کوئی ایک دو چمچے ہمارے پیٹ میں چلے جائیں۔ اس معاملے میں جب انتہائی شدت اختیار کی گئی تب سورۃ البقرہ میں حکم نازل ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا، اللہ صرف یہ چاہتا ہے کہ احتیاط رکھو، محتاط ہو جاؤ، یتیم کا مال ہڑپ نہ کرو، اپنے آپ کو اس کا امین سمجھو۔ یہاں تک کہ پھر سورۃ النساء میں تفصیلی احکام آئے کہ جب وہ جوان ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کرو اور اس پر گواہ بناؤ کہ کیا مال تھا اور کس کس طریقے سے اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ یہ بڑے تفصیلی احکام ہیں۔ یہاں پر اس کو بھی اسلام کے نظامِ معاشرت میں بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔

ایفائے عہد کی تاکید

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ "اور وعدے کو پورا کرو۔" جب عہد کر لیا ہے تو اسے نبھاؤ، وعدہ ہوا ہے تو پورا کرو۔ اور یہاں اس میں تاکید کے لئے فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۝﴾ "عہد کے بارے میں (خدا کے ہاں) بازپرس ہوگی" یہ نہ سمجھو کہ یہ تو ہمارے آپس کے معاملات تھے، اللہ کو اس سے کیا تعلق۔ اللہ تو حساب لے

اپنے روزوں کا اور اپنی نمازوں کا' اپنے احکام کا جو اس نے ہمیں دیئے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی معاملہ ہوا ہے اور اس میں اگر ہمارے باہمی معاملات میں اونچ نیچ ہو گئی ہے تو اس کا کوئی تعلق اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی ہے' بلکہ ﴿ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾ عہد کے بارے میں لوگوں کو جواب دہی کرنی ہو گی کہ کیا وعدہ کیا تھا اور اس کا ایفاء کیا یا نہیں کیا؟ اس کو پورا کیا یا نہیں کیا؟ یہ مضمون ہمارے اس منتخب نصاب میں بتکرار و اعادہ آیا ہے۔ آیۂ بر' جو اس منتخب نصاب کے حصہ اول "جامع اسباق" میں سے دوسرا ہی سبق تھا' میں بھی فرمایا گیا تھا کہ ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾ "اور اپنے عہد کے پورا کرنے والے جبکہ باہم کوئی معاہدہ کر لیں"۔ پھر سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج کی آیات میں فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ ﴾ "وہ لوگ کہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں" یعنی حفاظت کرنے والے ہیں۔

عہد کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے : ((لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ)) کہ جس میں عہد کا پاس نہیں' ایفائے عہد کا مادہ نہیں' اس کا کوئی دین نہیں۔ اس لئے کہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دین بھی ایک معاہدہ ہے' بندے اور رب کے درمیان۔ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کے متعلق سورۃ الفاتحہ کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا قول و قرار ہے' ایک بہت بڑا معاہدہ ہے' جو پوری زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ اس معاہدے کو کیسے نبھاؤ گے اگر چھوٹے چھوٹے وعدے پورے نہیں کر سکتے؟ اگر ایک پیسے میں خیانت کا ارتکاب کر رہے ہو تو ایک کروڑ میں تمہاری امانت پر کیسے اعتماد کیا جائے گا؟ نبی اکرم ﷺ آغازِ وحی سے پہلے کاروبار کرتے تھے لیکن اس تجارت کے میدان میں حضورؐ نے اپنی شخصیت اور سیرت و کردار کا لوہا منوایا۔ آپؐ کہیں معاشرے سے کٹے ہوئے کسی راہب کی خانقاہ اور درگاہ میں زیر تربیت نہیں رہے بلکہ آپ نے زندگی کی منجدھار میں' معاشرے اور سماج کے عین بیچوں بیچ اپنی زندگی بھرپور طریقے سے بسر کی ہے۔ آپ نے نوجوانی کے عالم میں بھیڑیں اور بکریاں بھی چرائیں۔ اسی پر علامہ اقبال نے کہا ہے ع "شبانی سے کلیمی دو قدم ہے!" یہ وہ کام ہے جو تمام انبیاء کرام نے کیا' محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا' اس لئے کہ فطرت سے قریب تر ہونے میں

اس کو بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے عمدہ ترین سطح پر تجارت کی۔ ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص سے کوئی کاروباری گفتگو ہو رہی تھی' ابھی معاہدہ اپنی تکمیلی شکل کو نہیں پہنچا تھا کہ اچانک اسے کوئی کام یاد آ گیا۔ اس نے کہا کہ آپؐ یہاں میرا انتظار کیجئے' میں ابھی آیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تم ہو آؤ میں تمہارا انتظار یہیں کروں گا۔ وہ شخص چلا گیا اور بعد میں بھول گیا۔ حدیث میں الفاظ آتے ہیں "بَعْدَ ثَلَاثٍ" کہ تین کے بعد اسے یاد آیا۔ اب اندازہ یہی ہے جو اکثر شارحین حدیث نے کہا کہ "بَعْدَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ" یعنی تین دن کے بعد یاد آیا۔ اس کے بعد وہ دوڑتا ہوا' ہانپتا ہوا آیا تو اس نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ وہیں موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا : تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ جب اس نے معذرت کی تو حضورؐ نے فرمایا : بہرحال میں اپنے عہد کا پابند تھا' میں تمہیں زبان دے چکا تھا کہ میں یہاں انتظار کروں گا' لہٰذا میں یہاں موجود رہا۔

اسی کو حضورؐ نے فرمایا : ((عِدَةُ الْمُؤْمِنِ كَاَخْذِ الْكَفِّ)) یعنی مؤمن کا وعدہ تو ایسے ہے جیسے ہاتھ پکڑ لیا گیا ہو۔ اب وہ اس طرح اپنے آپ کو بندھا ہوا محسوس کرتا ہے جیسے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہو' اسے جکڑ لیا ہو۔ یہ ہے وہ نفسیاتی احساس اور کیفیت جس کی شدت کو انسان اپنے باطن میں محسوس کرے کہ میں زبان دے چکا ہوں' بات ہو چکی ہے' قول و قرار ہو گیا ہے۔ غور کیجئے کہ کسی معاشرے میں اور خاص طور پر کاروبار' لین دین' بیع و شراء اور تجارت میں' اور اس کی پھر جتنی بھی زیادہ ترقی یافتہ اور پیچیدہ صورتیں ہیں' ان سب میں اصل چیز یہی ایفائے عہد ہے۔ بلکہ اس سے معاشرے کے نہ معلوم کتنے پہلوؤں میں اصلاح احوال اور streamlining کی کیفیت ہو جائے گی' بالکل overhauling کا انداز ہو جائے گا۔ اگر کسی معاشرے میں ایفائے عہد کا رواج ہو جائے اور لوگ واقعتاً اپنے وعدوں کی پابندی کریں اور اس میں جانبین کو یہ اعتماد ہو کہ جو بات ہو رہی ہے وہ یونہی پوری ہو گی تو اندازہ کیجئے کہ اس معاشرے میں کتنا سکون و اطمینان ہو گا اور کتنا کچھ خرچ جو خواہ مخواہ احتیاطی تدابیر کرنے پر ہوتا ہے' وہ نہ ہو گا۔ مثلاً کہیں چار مزدور کام کر رہے ہیں تو ان پر ایک سپروائزر کھڑا کیا جاتا ہے اور ان سپروائزروں پر ایک مزید سپروائزر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سارے غیر ترقیاتی

اخراجات ختم ہو سکتے ہیں اگر یہ اطمینان ہو کہ مزدور اپنے اس عہد میں بندھا ہوا کام کرے گا کہ میں نے جو آٹھ گھنٹے کام کرنا طے کیا ہے یہ مجھ پر واجب اور لازم ہے اور اپنی پوری قوتوں کو اس پر انڈیل دینا میرا فرض ہے' اس لئے کہ اس کے بغیر جو اُجرت میں لوں گا وہ میرے لئے جائز اور حلال نہ ہو سکے گی۔ تو اندازہ کیجئے کہ واقعتاً سارے انسانی معاملات کے لئے ایفائے عہد ایک بڑی ہی بنیادی اہمیت کی حامل چیز ہے۔

ناپ تول کو پورا کرنے کی تاکید

ان اوامر و نواہی یعنی do's and dont's کے سلسلے میں اگلا حکم ہے :

﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ﴾ "جب تم ناپو تو پیمانہ پورا کرو اور جب تولو تو سیدھی ڈنڈی کے ساتھ تولو"۔ ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ "یہی بہتر طرزِ عمل ہے اور انجامِ کار کے اعتبار سے بھی عمدہ ہے"۔ یہ گویا کسی معاشرے میں لینے اور دینے کے باٹ برابر رکھنے کی تاکید ہے۔ اگرچہ اس کا اطلاق وسیع تر پیمانے پر بھی ہو سکتا ہے کہ انسان لینے اور دینے کے پیمانے برابر رکھے اور جن معیارات پر وہ دوسروں کو پرکھتا ہے انہی پر وہ اپنے آپ کو بھی پرکھے' جس ترازو سے وہ دوسروں کو تولتا ہے اسی سے اپنے آپ کو تولے' جس پیمانے سے اپنے آپ کو ناپ رہا ہے اسی سے دوسروں کو ناپے' لیکن یہاں تعیّن کے طور پر ہمارے انسانی معاشرے میں کاروباری لین دین اور exchange کا جو سلسلہ چلتا ہے اس کے ضمن میں یہ بنیادی ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب ناپ کر دو تو پیمانہ پورا کرو اور تول کر دو تو سیدھی ڈنڈی کے ساتھ تولو۔

قرآن مجید کی بالکل ابتدائی سورتوں میں بھی اس سماجی برائی یعنی ذرا سی ڈنڈی مار لینے اور ناپ تول کے اندر کچھ کمی کر دینے پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ گرفت کی گئی ہے۔ سورۃ المُطفّفین کا آغاز ہی ان آیات سے ہوتا ہے : ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ﴾ "ہلاکت و بربادی اور تباہی ہے ان مُطفّفین کے لئے کہ جب ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ناپ کر یا تول کر دوسروں کو دیتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں"۔ عربی زبان میں "طفّ"

کہتے ہیں کسی بہت حقیر سی شے کو۔ یہاں پر بڑا بلیغ پیرایۂ بیان ہے کہ ڈنڈی تھوڑی سی مار لو گے، سیر میں آدھی چھٹانک، چھٹانک، تولہ، دو تولہ کی کمی کر لو گے۔ یہ نہایت حقیر اور چھوٹی بات ہے جس کے لئے تم نے اپنی دیانت اور امانت کا سودا کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کا براہ راست تعلق ایمان بالآخرۃ سے ہے۔ گویا تل کی اوٹ میں پہاڑ ہے۔ تجزیہ تو کرو، یہ ہاتھ کی ذرا سی جنبش بتا رہی ہے، تمہارا ڈنڈی مارنے کا یہ تھوڑا سا عمل اس بات کی پوری غمازی کر رہا ہے کہ تمہیں آخرت کا یقین نہیں، جزاء و سزا کا یقین نہیں، خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین نہیں، خدا کے "بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٍ" ہونے کا یقین نہیں، یا خدا کی ہستی کا ہی یقین نہیں۔ بہرحال ایمان کا معاملہ عمل کے ساتھ جس قدر گہرا ربط لئے ہوئے ہے اس کی طرف یہاں اشارہ کر دیا گیا: ﴿ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ "کیا انہیں یہ گمان نہیں ہے کہ انہیں اٹھایا جائے گا اس بڑے دن کہ جس دن لوگوں کو اپنے رب العالمین کے حضور کھڑے ہونا ہے۔"

یہ ہے وہ بات جس کو یہاں دہرایا گیا کہ اپنے پیمانے پورے کیا کرو، تولتے ہوئے ڈنڈی سیدھی رکھا کرو۔ فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ "یہ خیر ہے"۔ اس میں بھی ایک اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ہر شخص دوسرے کو چور سمجھے اور اس طرح ڈرتے ہوئے اور چوکس و چوکنا رہ کر اس سے معاملہ کرے۔ اس سے معاشرے کے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو چور، خائن اور بددیانت سمجھ رہا ہے۔ اسے یہ اندیشہ ہے کہ ابھی کہیں ڈنڈی مار لی جائے گی، ابھی کہیں ناپ تول میں کمی کر دی جائے گی، ابھی کہیں میری جیب کاٹ لی جائے گی، مجھ پر کوئی ڈاکہ ڈال دیا جائے گا۔ چنانچہ ناپ تول پورا رکھنے سے ایک طرف تو معاشرے میں اعتماد اور حسن ظن کی فضا ہوتی ہے۔ اور فرمایا ﴿ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ اور انجام کار کے اعتبار سے بھی یہ طرزِ عمل بہت خوب ہے"۔ تم سمجھتے ہو کہ ناپ تول میں کمی کر کے تم نے کچھ بچایا ہے اور چند سکوں کی صورت میں زیادہ نفع کمایا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ تم مجرم ضمیر لئے ہوئے گھر کو لوٹے ہو۔ حقیقت میں خیر یہ نہیں، بلکہ خیر تو یہ ہے کہ پورے مطمئن قلب کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹو۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے، تمہارا رزق اس کے ذمے ہے، وہ رزق تمہیں بہرطور بہم

پہنچائے گا۔

توہّمات کی روک تھام

آگے ایک بڑی اہم بات آ رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ کسی مسلمان معاشرے میں یہ ہدایت بڑی اہمیت کی حامل ہے : ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ "اس چیز کے پیچھے نہ پڑو کہ جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علمی بنیاد نہیں ہے"۔ حکم دیا جا رہا ہے اتباع علم کا' یعنی پیروی کرو علم کی' اب ظاہر بات ہے کہ علم یا تو بالحواس ہے۔ ہم نے آنکھوں اور کانوں سے جو کچھ دیکھا اور سنا اس کی بنیاد پر ہم نے کوئی رائے قائم کی' یہ علم ہے۔ علم کا دوسرا دائرہ علم بالعقل ہے۔ انسان سمع و بصر سے حاصل شدہ معلومات کا اپنے ذہن میں تجزیہ کرتا ہے' اس سے استنتاج کرتا ہے' نتائج اخذ کرتا ہے' ان کو جوڑ کر ان سے کچھ حاصل کرتا ہے' یہ انسان کے ذہن کے تفقّہ اور تعقّل کا عمل ہے۔ یہ علم بالعقل ہے۔ مزید برآں اسلام ایک اور ذریعۂ علم' کو بھی تسلیم کرتا ہے اور اسے علم کے ان دونوں سرچشموں (علم بالحواس اور علم بالعقل) سے بالاتر' زیادہ قابل اعتماد' زیادہ یقینی اور زیادہ وثوق و اعتماد کے قابل قرار دیتا ہے' اور وہ ہے علم بالوحی۔ بہرحال ذرائع علم یہی تین ہیں اور انہی سے حاصل شدہ معلومات "علم" کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ظن اور قیاس ہے' وہ اٹکل پچو ہے' وہ تخمینے ہیں' وہ occult sciences کا ایک دائرہ ہے۔ کہیں ہاتھ کی لکیریں لئے بیٹھے ہو' کہیں ستاروں کی چال کے زائچے بنا رہے ہو۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کو ان تمام چیزوں سے' ان تمام توہمات سے' ان تمام تخمینات سے بالکل آزاد کر کے اس کے موقف کی بنیاد اور اس کے عمل کی اساس علم پر قائم کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انسان کے تمدن اور اس کے علمی اور سائنٹیفک ارتقاء کے لئے ایک بڑی ہی اہم ہدایت تھی۔ اور یہ بات تسلیم کی گئی ہے' مستشرقین نے مانا ہے' مغربی مفکرین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حقیقتاً دنیا میں توہمات کو ختم کرنے والا اور انسان کے عمل کو علم کی بنیاد پر استوار کرنے والا قرآن مجید ہے۔ زلزلے کے بارے میں ایک قدیم تصور یہ

تھا کہ کوئی گائے ہے کہ جس کے سینگوں پر یہ زمین رکھی ہوئی ہے' جب وہ وزن ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر منتقل کرتی ہے تو زلزلہ آجاتا ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا سند ہے؟ کس بنیاد پر یہ بات کہی جارہی ہے؟ جب اس کی سند نہیں تو رد کردو یا پھر سند لاؤ جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا: "اِئْتُوْنِیْ بِشَیْءٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَ سُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلَ" اگر کوئی چیز ماوراءِ عقل ہے یا ماوراءِ حس ہے تو اس کے لئے کوئی سند اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے فرمودات سے لاؤ' ہم مان لیں گے۔ لیکن اگر نہ وہ سمع و بصر کی گرفت میں آنے والی شے ہو' نہ ہمارے حواس اس کو verify کرسکتے ہوں' نہ وہ ہماری عقل کی میزان میں کسی طور سے پوری اُترتی ہو اور نہ اس کے لئے کوئی اساس اور بنیاد وحی کے علم میں موجود ہو' چاہے وہ وحی متلو ہو یا وحی غیر متلو' یعنی چاہے وہ قرآن ہو یا فرمودۂ نبی ﷺ ہو' ان سب سے باہر کسی بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہم تیار نہیں۔ یہ نقطۂ نظر اور انداز ہے جس سے سائنس کے سفر کا آغاز ہوا ہے۔ اور یہ مانا گیا ہے کہ منطق استقرائی (inductive logic) کے موجد مسلمان ہیں اور اس کی طرف متوجہ کرنے والا قرآن ہے ؎

کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ!
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!!

قرآن اپنے قاری کو متوجہ کرتا ہے کہ یہ آیاتِ الٰہیہ ہیں' ان کو دیکھو اور ان کی مدد سے نتائج اخذ کرو' استقراء سے کام لو' جو سائنس کی بنیاد ہے۔

اسلام سے قبل علم کی بنیاد ارسطو کی استخراجی منطق (deductive logic) پر تھی' اسی پر سارا دارومدار تھا' اسی سے گتھیوں پر گتھیاں بن بھی رہی تھیں اور سلجھ بھی رہی تھیں' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سلجھتی کم' اُلجھتی زیادہ تھیں۔ لیکن اسلام نے آکر انسان کو اس منطق کی تنگ نائے سے نکالا اور اسے استخراج (deduction) کی بجائے استقراء (induction) کی طرف متوجہ کیا۔ دیکھئے' کس قدر عمدہ پیرایۂ بیان ہے: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ۝﴾ تمہیں یہ استعدادات اللہ نے کیوں عطا کی ہیں؟ سماعت دی ہے تاکہ سنو' بصارت دی ہے تاکہ دیکھو' اور تمہارے اندر تفکر و

تعقل کی قوتیں رکھی ہیں تاکہ غور و فکر اور سوچ بچار کرو۔ تمہیں استنباط' استدلال اور استنتاج کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ ان سب کے بارے میں تم سے بازپرس ہوگی کہ انہیں معطل کر کے رکھ چھوڑا تھا اور توہمات پر اپنے موقف کی بنیاد رکھی تھی یا ان قوتوں اور استعدادات کو استعمال کیا تھا؟ یہ اللہ کی امانتیں ہیں' اللہ کی نعمتیں ہیں' ان کا استعمال کرو۔ ان کے بارے میں تم سے بازپرس ہوگی' محاسبہ ہوگا' پوچھ گچھ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ساری نجومیوں کے انداز میں پیشین گوئیاں' یہ دست شناسی اور اسی نوع کے سارے معاملات' منجموں کے حساب کتاب اور زائچوں کی تیاری' ان کی اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب میں کوئی جگہ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی منجم یا کسی پیشین گوئی کرنے والے کی پیشین گوئی کی تصدیق کرتا ہے تو اس نے اس کی تکذیب کی جو میں لایا ہوں۔ یعنی میری لائی ہوئی تعلیم کچھ اور ہے' اس کی بنیاد علم پر ہے' وہ علم بالحواس بھی ہے' علم بالعقل بھی ہے اور علم بالوحی بھی ہے' چنانچہ ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں' جسے تم verify نہیں کر سکتے۔ ہاں ایسی چیزوں کا ایک دائرہ عالم غیب کے امور پر مشتمل ہے' جو تمہارے حواس اور تمہاری عقل سے ماوراء ہیں' ان کی verification کے تم پابند نہیں ہو۔ لیکن ان کے ضمن میں جو قابل اعتماد ذریعہ ہے وہ وحی ہے۔ اس سے باہر جس چیز کے لئے کوئی علمی بنیاد نہ ہو اس پر اپنا موقف قائم نہ کرو!

تمکنت اور تکبّر کی ممانعت

اس سلسلے میں آخری بات یہ فرمائی گئی : ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ "اور زمین میں اکڑ کر مت چلو۔" سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے آخر میں بھی آیا تھا : ﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ دراصل رزائل نفس میں سے سب سے آخر میں انسان کا پیچھا چھوڑنے والی چیز تکبر ہے اور آخری چیز جو انسان کو محاسن اخلاق میں سے میسر آتی ہے وہ تواضع ہے' جو انسانی شخصیت کی پختگی کی سب سے

نمایاں علامت ہے۔ لہٰذا سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے آخر میں بھی اس کا ذکر تھا اور یہاں بھی۔ اتنی کچھ اخلاقی' معاشرتی اور معاشی معاملات میں ہدایات دینے کے بعد اب فرمایا : ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ "اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔" سورۂ لقمان میں تو اس کے لئے الفاظ آئے تھے : ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ ﴾ کیسا دل میں اُتر جانے والا انداز ہے کہ تمہارے رب کو یہ پسند نہیں' وہ اکڑنے والوں' شیخی خوروں' چال میں تمکنت پیدا کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا' انہیں پسند نہیں کرتا۔ یہاں ایک دوسرے رُخ سے بات کی گئی ہے کہ چاہے کتنا اکڑ لو' کتنا پاؤں مار کر چلو' کتنے ہی دندناتے ہوئے چلنے کی کوشش کرو' تم ہماری زمین کو پھاڑ نہیں سکتے۔ ہماری مخلوقات بڑی عظیم ہیں' ہماری یہ کائنات اور اس کی وسعتیں تمہارے تصور اور تخیل سے بھی ماوراء ہیں۔ تم کتنی گردنیں اکڑا لو' کتنے ہی اونچے طرے لگا لو' بہرحال تم پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتے : ﴿ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ ﴾ "تم نہ زمین کو پھاڑ سکو گے' نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ پاؤ گے"۔

بندۂ مومن کے لئے آخری دلیل

پھر فرمایا : ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ﴾ وہی ترغیب (persuation) کا انداز ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کو مانتا ہو تو اس کی ترغیب کے لئے آخری بات یہی ہو گی کہ یہ چیز خدا کو پسند نہیں ہے۔ اگر اپنے رب پر یقین اور ایمان ہے' اگر اس سے محبت ہے اور اگر اس کی رضاجوئی تمہاری زندگی کا نصب العین بن چکی ہے تو جان لو کہ یہ چیزیں تمہارے رب کو ناپسند ہیں۔ چونکہ یہاں اوامر بھی زیر بحث آئے اور نواہی بھی' حکم بھی دیئے گئے اور روکا بھی گیا' یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرو' والدین کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو' قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور اگر کہیں مجبوراً ان سے اعراض کرنا ہی پڑ جائے تو ان سے نرمی کی بات کرو' اپنے ہاتھ کو نہ گردن سے باندھ لو نہ بالکل کھلا چھوڑ دو' میانہ روی اختیار کرو' ناحق قتل نہ کرو' زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ تو یہاں اوامر بھی آئے اور نواہی بھی آئے۔ do's بھی ہیں

dont's بھی ہیں کہ یہ کرو یہ نہ کرو۔ اس لئے فرمایا : ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ کہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں جو مکروہات ہیں وہ تیرے رب کو بہت ہی ناپسند ہیں' تیرا رب ان کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ بندۂ مومن کے لئے یہ آخری دلیل ہے۔ اب اس کے بعد اس سے قوی تر کوئی اور دلیل ممکن نہیں۔

حکمت و دانائی کی حقیقت

آگے فرمایا : ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ بڑے پیارے الفاظ ہیں کہ اے محمد ﷺ! یہ حکمت ہے' یہ دانائی ہے' یہ wisdom ہے جو آپؐ کے رب نے آپؐ پر وحی کی ہے۔ لفظ حکمت کو سمجھنے کے ضمن میں یہ مقام بڑا اہم ہے۔ بعض حضرات نے قرآن مجید کی اُن آیات کی' جن میں نبی اکرم ﷺ کے فرائض چہارگانہ کا بایں الفاظ ذکر ہے : ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾' تفسیر اس طور سے کی ہے کہ کتاب سے مُراد قرآن اور حکمت سے مُراد سُنّتِ رسولؐ یا احادیثِ رسولؐ لی ہیں۔ اس خیال کی قرآن مجید کے اس مقام کے حوالے سے تصحیح ضروری ہے۔ قرآن مجید میں احکام بھی ہیں اور قوانین کا بیان بھی ہے' شریعت اور فقہ بھی ہے' اور قرآن مجید ہی میں حکمت و دانائی (wisdom) بھی ہے۔ یہ خود قرآن مجید ہی کے دو رُخ (aspects) ہیں' ایک طرف قانون ہے اور ایک طرف اس قانون کی پشت پر کارفرما دانائی ہے۔ ایک طرف حکم ہے تو دوسری طرف اس حکم کی بنیاد جس حکمت پر قائم ہے' اس کا بیان ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کا اس درس کے دوران بار بار حوالہ آیا ہے۔ یہ مشابہت اس لفظ حکمت میں بھی موجود ہے۔ وہاں آغاز ہوا تھا : ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ وہاں نقطۂ آغاز حکمت تھا' جبکہ یہاں اس پوری بحث کا اختتام حکمت کے ذکر پر ہو رہا ہے : ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ یہ ہیں وہ باتیں' وہ ہدایات' وہ اوامر و نواہی اور ان کی تعلیم جو کہ تیرے رب نے وحی کی ہیں اے محمد ﷺ آپ پر از قسم حکمت۔

حرفِ آخر : توحید فی الالوہیت

اس سب کا لُبِّ لباب اور حاصل کیا ہے؟ ـــــ یہ آخری بات "last but not the least" کے درجے میں فرمادی گئی : ﴿ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ اللہ کے ساتھ کسی اور کو الٰہ نہ بنالینا۔ یہ وہی بات ہے جو ہمارے کلمۂ طیبہ کا جزوِ اوّل ہے : "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔ پس اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ ٹھہرالینا' اللہ کے سوا کسی اور کو الوہیت کا حامل نہ مان بیٹھنا۔ اللہ ہی الٰہ واحد ہے' وہی مطاعِ مطلق ہے' وہی محبوبِ حقیقی ہے۔

اِلٰہ کے لفظ کی تفصیل ہمارے اس منتخب نصاب میں پہلے کہیں نہیں آئی۔ یہ عجیب لفظ ہے۔ اس کے حروفِ اصلی میں' جو اس کا مادہ ہیں' اور پھر اس کے بنیادی لغوی مفاہیم کے اندر جامعیت کا عجیب رنگ ہے۔ "اِلٰہ" کا مادہ عربی زبان میں کئی معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً "اَلَهَ الفصیلُ اِلٰی اُمِّهٖ"۔ اونٹنی کا وہ بچہ جو ماں سے دُور کہیں باندھ دیا گیا تھا جب اسے موقع ملتا ہے تو وہ اپنی ماں کی طرف لپکتا ہے۔ اس مفہوم سے یہ لفظ الٰہ اخذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس مادے کا ایک مفہوم تحیر ہے۔ یعنی جس کی اصل حقیقت اور کنہ تک کوئی نہ پہنچ پائے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ "ولہ" سے ہے جس کا مفہوم والہانہ محبت ہے۔ گویا الٰہ وہ ہستی ہے جس کی طرف کوئی لپکتا ہے اپنی حاجت روائی کے لئے' اپنی مشکل کشائی کے لئے' اپنے مصائب کو دور کرنے کی درخواست لے کر' اپنی ضروریات کی بہم رسانی کی توقع کے ساتھ ـــــ اور تمہارا مشکل کشا' تمہارا حاجت روا' تمہارا روزی رساں اور تمہاری تکالیف کا دُور فرمانے والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ یہ ہے بنیادی تصورِ الٰہ۔ اس کے بعد یہی لفظ آئے گا اُس ذات کے لئے جو محبت کے قابل ہو' جس سے والہانہ عشق ہو۔ اور وہ ذات بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔ وہی محبوبِ حقیقی اور مطلوبِ اصلی ہے۔ اور پھر فلسفیانہ انداز میں بات کی جائے تو وہ ہستی کہ جس کی کنہ کو سمجھنا انسان کے لئے ناممکن ہو' جس کی ذات وراء الوراء' ثم وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہو' جہاں انسان کے لئے سوائے تحیر کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ یوں سمجھئے کہ یہ جامہ ہر اعتبار سے

راست آتا ہے صرف باری تعالیٰ کی ذات پر۔

مختلف مزاج، مختلف شعور کی سطحوں پر فائز، مختلف افتادِ طبع کے لوگ اپنی ذہنی سطح کے مطابق الٰہ کا تصور رکھتے ہیں۔ عوام الناس کے نزدیک الٰہ کا تصور یہی ہے کہ وہ روزی رساں ہے، تکالیف کا دُور کرنے والا ہے، دعائیں سننے والا ہے، تمنائیں برلانے والا ہے۔ ان کی ذہنی سطح پر معبود کا مفہوم یہی ہو گا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" یعنی روزی رساں اس کے سوا کوئی نہیں، مشکل کشا اس کے سوا کوئی نہیں۔ حاجت روا اس کے سوا کوئی نہیں، تکلیفیں دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں اور اس کے سوا کوئی نہیں جو لوگوں کی دعائیں سنتا ہو، ان کو قبول کرتا ہو اور ان کی مصیبتوں کو دور فرماتا ہو۔ لیکن فلسفیانہ ذہن اور ہے۔ فلسفیانہ افتاد اور مزاج کا حامل شخص الٰہ کو وہ ہستی مانتا ہے کہ ع "اے بروں از وہم و قیل و قالِ من"۔ جہاں انسان کا فکر تھک ہار کر رہ جائے، جس کی ہستی کا تصور ممکن نہ ہو، جس کی صفات کا تصور ممکن نہ ہو، وہ قادر ہے تو کتنا قادر ہے، وہ سمیع ہے تو کتنا سمیع ہے، وہ علیم ہے تو کتنا علیم ہے۔ وہ ذات کہ جہاں پر سوائے تحیر کے انسان کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں وہ ہستی الٰہ ہے۔ اور وہ شخص کہ جو عبادت کی اصل روح سے آشنا ہو چکا ہو، وہ شخص کہ جس کا دل بیدار ہو، اس کی روح زندہ ہو، اس کے لئے الٰہ محبوبِ حقیقی ہے، مطلوبِ اصلی ہے۔ "لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ"۔

اگرچہ اس کلمہ طیبہ کے پہلے جزو کی اس سے بلند تر سطح بھی ہے، لیکن اس کا ذکر یہاں شاید اختصار کے ساتھ مناسب نہ رہے گا، تاہم صرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ اس پر اگرچہ کچھ بحث حقیقت شرک کے ضمن میں ہو چکی ہے کہ ایک مقام وہ بھی ہے جہاں اللہ کے سوا کسی الٰہ کہ نفی کا معاملہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ" یعنی وجودِ حقیقی صرف اللہ کا ہے۔ حقیقتاً موجود صرف وہ ہے، باقی جو کچھ ہے ؎

کلُّ ما فِی الکون وھمٌ او خیال
او عُکوسٌ فِی المَرایا او ظِلال

جو کچھ نظر آ رہا ہے یا وہ سائے ہیں یا عکس ہیں یا وہ ایک قوتِ واہمہ کی کار فرمائی ہے، جبکہ

وجودِ حقیقی صرف اللہ کا ہے۔

انسان کا فکری ارتقاء ہو' انسان کی روحانی ترقی ہو' ان سب کی معراج یہ ہے کہ انسان اس "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی حقیقت کو پالے۔ لہٰذا یہ ساری بحث و تمحیص اور یہ سارے اوامر و نواہی آخر میں آکر جس نقطے پر مرتکز ہوتے ہیں وہ نقطہ پھر وہی ہے جہاں سے آغاز ہوا تھا۔ آغاز شرک فی العبادت کی نفی سے ہوا تھا : ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ اور اختتام ہوتا ہے شرک فی الالوہیت کی نفی سے : ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۝﴾ یعنی شرک کا تو ایک ہی نتیجہ نکلے گا۔ اگر تم اس جرم کے مرتکب ہوئے تو پھر تمہاری حیثیت اُس خس و خاشاک اور اس کوڑے کرکٹ کی ہوگی جس کو دیا سلائی دکھادی جائے' جس کو آگ لگادی جائے۔ چنانچہ تم مَلوم اور مَدحُور ہو کر' یعنی ملامت زدہ (condemned) اور دُھتکارے ہوئے جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ اس لئے کہ تم شرفِ انسانیت سے تہی ہو گئے ہو۔ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تم اس منصب اور اس مقام و مرتبے سے اپنے آپ کو محروم کر چکے ہو۔ اگر تم نے توحید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو اب تمہارا مصرف اور مقام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہیں جلایا جائے اور ابدالآباد تک نارِ جہنم میں جھونک دیا جائے۔

﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا﴾ جیسا کہ عرض کیا جا چکا' شرک کی ایک شکل' جو اُس معاشرے میں موجود تھی' یہ تھی کہ بنی اسماعیل' مشرکینِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ تو مزاح کے انداز میں بھی تنقید کی گئی اور کچھ زجر' جھڑکی اور ڈانٹ کے انداز میں اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا گیا کہ کیا تمہارے رب نے تمہیں تو چن لیا ہے بیٹوں کے لئے؟ اگر بیٹی ہو جائے تو تم شرمائے رہتے ہو' منہ چھپائے پھرتے ہو اور تم اس فکر میں ہوتے ہو کہ اسے کہیں گڑھے میں دفن کر آؤ اور جلد سے جلد اس عار اور بدنامی سے کسی نہ کسی طرح رُستگاری اور چھٹکارا حاصل کرلو' اور خدا کے لئے تم نے بیٹیاں ٹھہرائی ہیں۔ تمہاری یہ تقسیم بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔ جیسا کہ سورۃ النجم میں آیا ہے : ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۝﴾ "کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اس کے لئے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو

بڑی ہی نامنصفانہ ہے" ۔ یہ تو بڑی ہی عجیب تقسیم ہے جو تم نے کی ہے۔ لیکن اب مزاح کا معاملہ ختم ہوا' اور اس کے بعد فرمایا : ﴿ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ یہ بہت بڑی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ یہی انداز اگلی سورت یعنی سورۂ کہف میں نصاریٰ کے ذکر میں آتا ہے : ﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ ﴾ یعنی بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے اس قول کے اندر کوئی صداقت نہیں ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ سرتاسر جھوٹ' تہمت اور بہتان ہے۔ اس پر یہ آیاتِ مبارکہ ختم ہو رہی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان اٹھارہ آیات میں ایک صالح تمدن' نیک اور صحت مند معاشرہ یا یوں کہہ لیجئے کہ اسلامی معاشرہ' اسلامی سوسائٹی اور اسلامی رہن سہن کا بڑا جامع نقشہ سامنے آگیا ہے۔ تاہم اجتماعیت کی وہ سطح جبکہ ملی و ملکی اور سیاسی مسائل سامنے آئیں' ذرا بلند تر سطح ہے' ان سے بحث ان شاء اللہ اگلے درس میں ہوگی۔ اس سطح پر سورۃ الحجرات اجتماعیت کے ضمن میں قرآن مجید کی ہدایت کا ایک بڑا جامع مرقع ہے اور اسی پر ہمارا آئندہ درس مشتمل ہوگا۔ یہاں اس سے کم تر یعنی سماج' معاشرے' سوسائٹی کی سطح پر اسلام کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا' کن چیزوں کو پروان چڑھانا چاہتا ہے اور کن چیزوں کا استیصال اسے منظور ہے' اس کا ایک بڑا جامع نقشہ سامنے آگیا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝۝

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علیؓ مرتضیٰؓ

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

نبی اکرمؐ کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ:—
کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے

اِس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلّق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے

ایمان اور نفاق

مرتب : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

نفاق کا لغوی معنیٰ :

نفاق کا مادہ "ن ف ق" ہے۔ نفق عربی زبان میں سرنگ کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ سورۃ الانعام میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ﴾ (الانعام : ۳۵)

"تاہم ان لوگوں کی بے رخی اگر تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو ۔"

نفق (سرنگ) ایسے زیر زمین راستے کو کہتے ہیں جس کے دو منہ ہوں' جو کہ جان بچانے کے لئے راہِ فرار کا کام دے۔ اگر ایک طرف سے دشمن کا خطرہ ہو تو دوسری طرف نکلا جا سکے۔ اسی طرح گوہ کے بل کو بھی "نافقہ" کہا جاتا ہے کیونکہ اُس کے بھی دو طرف منہ ہوتے ہیں۔

"نَفَقَ" سے ایک فعل اَنْفَقَ یُنْفِقُ اِنْفَاق آتا ہے جس کے معنی ہیں خرچ کرنا ـــــ دوسرا فعل نَافَقَ' یُنَافِقُ آتا ہے جس کا مصدر ہے مُنَافَقَۃٌ (جسے ہم اردو زبان میں منافقت لکھتے ہیں) یا نِفَاقٌ۔ جیسے جھد سے مُجَاھَدَۃٌ اور جہاد ہے' تو جس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ جس بل کے دو منہ ہوں اسے "نافقہ" کہا جاتا ہے' جس راستے کے دو منہ ہوں وہ "نفق" کہلاتا ہے اور جس انسان کے دو منہ ہوں وہ "منافق" کہلاتا ہے۔ یعنی جس کا ایک چہرہ (Face) اِدھر ہوتا ہے تو دوسرا اُدھر۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے کردار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :

﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ (البقرۃ : ۱۴)

"اور جب یہ (منافق) اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں (اہل ایمان) سے تو مذاق کر رہے ہیں۔"

حقیقتِ نفاق :

نفاق بھی اصلاً کفر کی شکل ہے، لیکن یہ کفرِ ظاہری اور قانونی نہیں بلکہ کفرِ باطنی ہے، کیونکہ منافق دل سے تو کافر ہی ہوتا ہے۔ قانونی ایمان کی ضد کفر ہے اور حقیقی ایمان کی ضد نفاق ہے۔ اور نفاق اللہ تعالیٰ کے ہاں کفر سے بھی زیادہ مغضوب و مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا غضب جس قدر منافقوں پر بھڑکا ہے اتنا کافروں پر بھی نہیں بھڑکا۔ فرمانِ ربانی ہے :

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ ﴾ (النساء : ۱۴۵)

"بلاشبہ منافقین تو آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے"۔

نفاق کی اصل بنیاد :

گوہ دو منہ والا بل اس لئے بناتی ہے کہ خطرے کے وقت جان کی حفاظت ہو سکے۔ اسی طرح منافق بھی کفر اور اسلام دونوں کے ساتھ رشتہ استوار رکھتا ہے کہ خطرے کے وقت جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ اور چونکہ جہاد کے موقع پر جان و مال ہی خرچ کرنے کی نوبت آتی ہے اس لئے منافق سب سے زیادہ جہاد سے خائف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جہاد میں جان و مال سے شریک ہونا تو منافق کی نگاہ میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور اگر شریک نہیں ہوتے تو معاشرے میں نکو اور نکمے بن کر رہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لہٰذا جان و مال بچانے کے لئے وہ نفاق کی راہ اپناتا ہے اور عمل میں جہادی سرگرمیوں سے ہمیشہ گریزاں رہتا ہے کہ کہیں اس کا نفاق آشکارا نہ ہو جائے۔

نفاق کے مراحل

نفاق کے مراحل سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ جو شخص اقامتِ دین کی انقلابی دعوت کو قبول کرتا ہے، حق کی صدا پر لبیک کہتا ہے، دل کی گہرائی سے اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہے، وہ قوی الارادہ اور قوی الایمان ہوتا ہے تو جونہی کوئی دینی تقاضا اس کے سامنے آئے گا وہ فوراً حاضر ہو گا اور اس کا کردار گواہی دے رہا ہو گا کہ ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریّتِ جاں، راحتِ تن، صحّتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

یہ ایک رویّہ ہے جو خلوص و اخلاص اور صدقِ ایمان کی عملی گواہی ہے، لہٰذا اس کا ترقی کی طرف سفر شروع ہو گا، جو بے انتہا ترقی کی طرف بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

ضعفِ ایمان :

سابقہ رویّے کو اگر خلوص و اخلاص اور کمال کا نام دیا جائے تو اس کے بالمقابل "گریز" کا رویہ آتا ہے۔ یہ یقیناً نفاق یا منافقت نہیں ہے، لیکن کمال ایمان بھی نہیں ہے، بلکہ یہ ضعفِ ایمان کی شکل ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی سے کسی وجہ سے انقلابی جماعتی معاملے میں کمزوری یا کوتاہی سرزد ہو گئی۔ چنانچہ سب سے پہلے اس کا کھلے دل سے اعتراف کرے، اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرے، اپنی جماعت سے معذرت کرے، قائد سے معافی مانگے اور اہل جماعت سے بھی اپنے لئے استغفار کی درخواست کرے۔

اسے مرض نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ ضعفِ ایمان شمار ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح جسمانی ساخت میں طاقتور اور کمزور لوگ پیدا کئے ہیں اسی طرح ایمانی کیفیت میں بھی طاقتور اور کمزور لوگ ہیں اور رہیں گے۔ سب لوگ برابر نہیں ہو سکتے، حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی سب کا ایمان یکساں نہیں تھا۔

مرض کا پہلا درجہ : جھوٹا بہانہ

مشکل یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک جھوٹی عزتِ نفس بھی موجود ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا :

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۲۰۶)

"اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو تکبر اور تعصب اس کو گناہ پر ابھارتا ہے، پس ایسے آدمی کے لئے جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"

کیونکہ یہ جھوٹی عزتِ نفس انسان کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ آپ نے دس مرتبہ معذرت کی اور وہ مان لی گئی، گیارہویں مرتبہ نفس کہتا ہے کوئی جھوٹا بہانہ بناؤ، روز روز کی معذرت سے عزت نفس مجروح ہو رہی ہے۔ بس جہاں سے جھوٹا بہانہ شروع ہوا بیماری کا بیج پڑ گیا۔ کتاب و سنت کا مطالعہ کر دیکھیں، نفاق اور منافق کے بیان میں "کذب" (جھوٹ) کا تذکرہ کثرت سے ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۰)

"اور ان کے لئے دردناک سزا ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ نے منافق کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا :

((وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ)) (بخاری و مسلم)

"اور جب بات کرے جھوٹ بولے"

یہاں احتیاط رہنی چاہئے، اس کیفیت کو ابھی "نفاق" سے تعبیر نہ کیا جائے بلکہ مرض کی پہلی منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بیماری اور روگ کے نام سے بیان فرمایا ہے :

﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ (البقرۃ : ۱۰)

"ان کے دلوں میں روگ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے روگ کو اور بڑھا دیا ہے"

مرض کا دوسرا درجہ : جھوٹی قسمیں

ظاہر بات ہے کہ جھوٹے بہانے کب تک کام دیں گے' آخر سننے والے بھی سر میں دماغ رکھتے ہیں۔ جونہی بھانڈا پھوٹا' اعتبار اٹھ گیا' تو اب جھوٹی قسموں کا سہارا لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (المنافقون : ۲)

"انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنا رکھا ہے جس کی آڑ میں وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں' یقیناً بہت برا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔"

کس چیز کے خلاف ڈھال؟ اپنی جان و مال کھپانے کے خلاف ڈھال' کہ کہیں جان و مال کا نقصان نہ ہو جائے۔ کیونکہ منافقین کو یہی دو چیزیں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ غزوۂ تبوک کے ضمن میں حضرت کعب بن مالک (۹) رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو ایک ایک کر کے منافق آتے گئے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی پیش کرتے گئے اور آپ تسلیم کرتے گئے۔ اس طرح ان منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال اور تحفظ کا سامان بنالیا۔

مرض کا آخری درجہ : اللہ اور رسولؐ کے ساتھ بغض و عداوت

اِس بغض و عداوت کی وجہ ایک نفسیاتی روگ ہے کہ جب بھی کوئی امتحان یا آزمائش کا وقت آتا ہے تو ان کو منہ چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔ مثلاً ایک معاشرے میں سو آدمی رہتے ہیں' ان میں سے پچاس صادق الایمان ہیں اور پچاس مریضانہ ذہنیت والے ہیں۔ صادق الایمان حضرات کا کردار یہ سامنے آتا ہے کہ جونہی صدا لگی لبیک کہا اور جس حال (۱۰) میں بھی تھے حاضر ہو گئے۔ یہ حاضری اور یہ فدا کاری ان کے خلوص و ایمان کی دلیل بن گئی جبکہ دوسرے پیچھے رہ گئے۔ اب پیچھے رہ جانے والوں کے دلوں میں مخلصین کے خلاف بغض و عناد پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ یہ لوگ پاگل' بے وقوف اور دیوانے (Fanatics) ہیں۔ منافقین' مخلص اہل ایمان کے لئے لفظ "السفھاء" اسی معنیٰ میں

استعمال کرتے تھے۔ فرمایا :

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ.... ﴾ (البقرۃ : ۱۳)

"اور جب ان سے کہا گیا کہ اس طریقے سے ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو انہوں نے جواب دیا : کیا ہم اس طریقے پر ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟"

گویا کہ منافقوں کی نظر میں یا ان کی رائے میں مخلص اور فدائی مسلمان بے وقوف ہیں' انہیں بھلے برے کی تمیز نہیں' موت کا خوف نہیں' مستقبل کی فکر نہیں اور اولاد و گھر بار کا خیال نہیں' پس ہر وقت جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے حاضر ہیں۔

جیسے جیسے یہ تضاد نمایاں ہو رہا ہے اسی نسبت سے ان کا غم و غصہ بھڑک رہا ہے۔ عربی زبان کی مثال ہے "تُعرَفُ الاشیاءُ بِاَضدادِھا" یعنی چیزوں کی پہچان برعکس چیزوں سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی امتحان و آزمائش کا موقع ہی نہ آتا یا سب کے سب ایک حال پر بیٹھے رہ جاتے تو نہ مخلص و منافق کی پہچان ہوتی اور نہ کسی کا ضعفِ ایمان ہی ظاہر ہوتا۔ لیکن جب کچھ لوگ انقلابی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ بیٹھے رہ گئے تو جو اُٹھ کھڑے ہوئے ان کے اٹھنے کی وجہ سے بیٹھنے والوں کی کیفیت نمایاں ہو گئی۔ اب انہیں بیٹھے بیٹھے مخلصین پر غصہ آ رہا ہے' ان کے خلاف دل میں ایک الاؤ جل رہا ہے' غیظ و غضب سے لال پیلے ہو رہے ہیں۔ یہ ہے مرض کا تیسرا اور آخری درجہ جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دشمنی پر مشتمل ہے کہ انہوں نے ہمیں کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے' ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی مصیبت کھڑی ہے' نہ کوئی مشورہ سنتے ہیں نہ بات مانتے ہیں' ہر وقت بس ایک ہی دُھن سوار ہے۔ اس کے برعکس صادق الایمان لوگ تو رسول اللہ ﷺ کا احسان مانتے تھے کہ آپؐ کی وجہ سے ہمیں ایمان نصیب ہوا' آپ کی آمد کے بعد اوس و خزرج کا جھگڑا ختم ہوا۔

جب مرض اپنی تیسری منزل کو پہنچ جائے اور دل اللہ اور رسول کی دشمنی سے بھر جائے تو یہ وہ منزل ہے جس کو نفاق کہا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ

تعالیٰ نے اپنی گواہی تاقیام قیامت محفوظ کردی ہے۔ فرمایا :

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۘ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۘ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ ﴾

(المنافقون : ۱ تا ۳)

"(اے نبی!) جب تمہارے پاس یہ منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے بے شک بُرا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی' اب یہ نہیں سمجھتے"۔

مشکلات و مصائب کے وقت مخلصین و منافقین کے احساسات ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں۔

غزوۂ احزاب کا منظر آنکھوں کے سامنے لائیے اور ذرا غور کیجئے کہ ایک چھوٹی سی بستی پر جس کی آبادی چند سو افراد پر مشتمل تھی' پورے عرب کی کافر قوتیں اکٹھے ہو کر چڑھ دوڑیں جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

"جب کہ دشمن تمہارے اوپر سے' اور نیچے سے آ گئے' اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مُنہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں مختلف گمان کرنے لگے' اسی موقع پر مومنوں کا امتحان کر لیا گیا اور وہ پوری طرح جھنجھوڑ دیئے گئے"

(الاحزاب : ۱۰-۱۱)

حالات یقیناً ایسے ہی سخت تھے کہ کلیجا مُنہ کو آ رہا تھا کہ کہاں تین ہزار کا لشکر جن کے پاس نہ سواریاں پوری ہیں اور نہ ہتھیار مناسب ہیں' دوسری طرف دس ہزار کا لشکر جرار جس کی پشت پر سارے عرب کی اخلاقی و سیاسی طاقت موجود ہے اور وہ عمدہ ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ ایسے موقع پر منافقوں کا نفاق کھل کر ان کی زبانوں پر آ گیا' کہنے لگے :

﴿ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۱۲)

"ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے کئے وہ سب جھوٹے نکلے۔"

کہ ہمیں تو سبز باغ دکھائے گئے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں تلے ہوں گے' جبکہ حال یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے باہر نہیں نکل سکتے۔

چونکہ نفاق کی بنیاد جان و مال کا تحفظ ہے اور یہاں دونوں ہی خطرے میں تھے لہٰذا وہ چیخ اٹھے۔ جبکہ دوسری طرف اہل ایمان نے یہی حالات کھلی آنکھوں سے دیکھے تو پکار اٹھے :

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ (الاحزاب : ۲۲)

"اور جب اہل ایمان نے کافروں کے لشکر کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہی تو ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے کیا تھا اور بالکل سچ کہا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ نے"۔

چونکہ انہیں دنیاوی عارضی مفادات کی بجائے اُخروی ابدی بشارتیں مطلوب تھیں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس شرط کے ساتھ کیا تھا کہ تم اس راہ کی تمام مشکلات کا مقابلہ ہمت کے ساتھ کروگے۔ سورۃ البقرہ کی یہ آیت اس سے قبل نازل ہو چکی تھی کہ :

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۵)

"اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے دشمن کے ڈر سے' بھوک پیاس سے' مال و جان اور ثمرات کی کمی سے۔ اور (اے نبیؐ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے"۔

ایسے موقع پر سچے اہل ایمان کا حالِ دل اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا :

﴿ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۲۲)

"تو (لشکرانِ کفار دیکھ کر) ان کے ایمان اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ ہو گیا۔"

ہم یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ ایمانِ حقیقی کی ضد ہے نفاق' جو کہ جہاد فی سبیل اللہ سے

گریز کا نتیجہ ہوتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ انسان جہاد سے کیوں بھاگتا ہے؟ ــــ اس لئے کہ غیراللہ کی محبت' محبت ایمان پر غالب ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ ﴾

(التوبۃ : ۲۴)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں' تمہارا کنبہ قبیلہ' تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب تمہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم سے عذاب کے آنے کا انتظار کرو' اللہ تعالیٰ (ایسے) فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

اپنے ایمان کا جائزہ لینے کے لئے یہ آیت عظیم ترین ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان دل میں ایک ترازو نصب کرلے اور ایک پلڑے میں مذکورہ بالا آٹھ محبتوں کو رکھ لے اور دوسرے پلڑے میں "اللہ تعالیٰ کی محبت + اللہ کے رسول کی محبت + جہاد فی سبیل اللہ کی محبت" کو رکھ لے۔ اگر ان تین محبتوں والا پلڑا جھک گیا' تو مبارک ہو' یہی حقیقی ایمان ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ ہرگز نہیں کہ ان فطری محبتوں سے دست بردار ہو جاؤ یا انہیں تج دو' بلکہ مطالبہ صرف یہ ہے کہ اللہ' رسول اور جہاد کی محبت پر کوئی محبت غالب نہ ہونے پائے' کیونکہ اہل ایمان کا شعار اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ﴾ (البقرة : ۱۶۵)

"اور وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں اللہ کی محبت میں سب سے زیادہ سخت ہیں"۔

اس کے برعکس اگر آٹھ محبتوں والا پلڑا بھاری نکلا اور اللہ کی محبت' اس کے رسول کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت ہلکی نکلی تو معاملہ بڑا خطرناک اور افسوس ناک ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ کہ جاؤ دفع ہو جاؤ' دور ہٹ کر بیٹھو اور اُس وقت تک انتظار کرو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ تمہارے بارے میں نہ سنادے۔ اور اللہ تعالیٰ اس قسم کے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس کے بعد غور طلب مقام یہ ہے کہ آخرت میں منافقوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اس کا ذکر قرآن حکیم نے بہت ہی سبق آموز انداز میں کیا ہے۔ پہلے سچے اہلِ ایمان کا خوش کُن انجام بیان فرمایا :

﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (الحدید : ۱۲)

"جس دن تم مؤمن مَردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے داہنی طرف اور آگے دوڑتا ہوگا۔ اُس روز ان کے لئے جنت کی بشارت ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

مخلص اور سچے اہل ایمان کے اس قابل رشک انجام کے تذکرے کے بعد منافقین کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ ﴾

(الحدید : ۱۳)

"جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے' ذرا رکو' انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھالیں۔ (جواب میں اہل ایمان کہیں گے) پیچھے لوٹ کر اپنا نور تلاش کرو[11] اَب اُن کے درمیان ایک فصیل حائل کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ جس کے اندر کی طرف رحمتِ

خداوندی ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا"۔

اتنا واضح انجام سامنے آجانے کے بعد بھی منافقین بظاہر مغالطے میں ہی ہوں گے اور وہ دلیل پیش کریں گے : ﴿ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ اہلِ ایمان کو دُور سے پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھی نہ تھے (دنیا میں ظاہری قانون کے اعتبار سے منافق بھی مسلمان ہی شمار کیا جاتا ہے)۔ اہل ایمان جواب میں ان پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے کہیں گے :

﴿ بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾ (الحدید : ۱۴)

"اس حد تک تو بات صحیح ہے (لیکن تم نے چار بنیادی جرم کئے تھے جن کی تفصیل یہ ہے کہ) تم نے اپنے آپ کو فتنوں [۱۲] کے اندر ڈالا اور تم انتظار میں رہے (کہ شاید مسلمان کسی مشکل میں پھنس جائیں اور تمہاری جہاد سے جان چھوٹے) اور تم شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے (حالانکہ ایمان اور شک و شبہ دو مختلف چیزیں ہیں) اور تمہیں تمہاری تمناؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا' اور اُس بڑے دھوکے باز (شیطان) نے تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں رکھا"۔

اگلی آیت میں منافقوں اور کافروں کا آخری و حتمی انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحدید : ۱۵)

"آج کے دن نہ تم سے کوئی فدیہ قبول ہوگا اور نہ کافروں سے' تمہارا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ یہ آگ ہی تمہاری رفیق ہے' اور یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔"

دنیا میں ظاہری قانون کے اعتبار سے منافق مسلمانوں کے ساتھ شمار ہوتے تھے کیونکہ بظاہر وہ مسلمان تھے لیکن آخرت میں ان کا شمار کافروں میں ہوگا' اس لئے کہ اپنی بداعمالیوں کے سبب سے وہ اپنی ایمان کی پونجی ضائع کر بیٹھے تھے اور اب ایمان کی بجائے نفاق ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان کا انجام بھی کافروں کے ساتھ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق اور منافقانہ کردار سے محفوظ رکھے۔ دولت ایمان دنیا میں عطا کرے اور مرتے دم تک ایمان نصیب رہے اور آخرت میں اہل ایمان کے ساتھ

حساب اور جنت میں داخلہ ملے۔ آمین یا رَبّ العالمین

شعوری اور غیر شعوری نفاق کا فرق

اہل علم نے نفاق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے : عقیدے کا نفاق ـــــ اور عمل کا نفاق۔ عقیدے کا نفاق شعوری بھی ہو سکتا ہے اور غیر شعوری بھی۔

شعوری نفاق :

کوئی شخص جان بوجھ کر دھوکہ دینے کے لئے ایمان کا اظہار کرے۔ مثلاً کوئی ہندو یا سکھ جاسوس بن کر پاکستان میں آئے اور اسلام کا لبادہ اوڑھ لے۔ پنجاب کے سرحدی دیہاتوں سے ایسی خبریں آتی رہتی ہیں کہ کسی گاؤں کی مسجد میں ہندو جاسوس امام مسجد کے بھیس میں امامت کرواتا رہا۔ ظاہر بات ہے وہ باریش ہو گا' اسلام کے عبادات و عقائد سے واقف ہو گا' عین ممکن ہے اس نے ختنہ بھی کرا دیا ہو۔ لیکن وہ آدمی خوب جانتا ہے کہ وہ کون ہے کس عقیدے کا مالک ہے اور اب کس بھیس میں ہے۔

اس طرح کے شعوری منافقوں پر مشتمل ایک جماعت دورِ نبویؐ میں بھی موجود تھی۔ قرآن حکیم اس کی تصدیق کرتا ہے :

﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران:۷۲)

"اہل کتاب (یہودیوں) کی ایک جماعت نے یہ سازش تیار کی کہ صبح کے وقت ایمان لے آؤ اور شام کو مرتد ہو جاؤ' شاید کہ (سچے اہل ایمان میں سے بھی کچھ) لوگ پلٹ آئیں"۔

یہ یہودیوں کا سازشی ذہن تھا (جو کہ پوری دنیا میں مسلّم ہے) انہوں نے سازش تیار کی تاکہ کچھ مخلصین کو توڑا جا سکے۔ کیونکہ اُس وقت ایمان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ جو ایک دفعہ ایمان لے آیا واپس نہیں جاتا چاہئے اُس کے ٹکڑے ہو جائیں۔ اس دھاک کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے یہ سازش تیار کی۔

پس منظر میں موجود کرداروں اور مذکورہ واقعے پر غور کرنے سے یہ شکل سمجھ آتی ہے کہ کچھ لوگ صبح کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اسلام کا اعلان کیا' سارا دن آپؐ کی محفل میں بڑے مؤدب بن کر بیٹھے رہے' شام تک اسلام سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔ دیکھنے والوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ کچھ لوگ اسلام لائے اور باادب ہو کر محفل میں بیٹھے رہے' یقیناً صدق دل سے اسلام کو قبول کیا ہو گا' شام کو مکر گئے اور کہنے لگے ہاں اسلام لا کر دیکھ لیا ہے' کچھ بھی نہیں ہے' بس دور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں ـــــ اس سازش کے پیچھے کچھ مقاصد تھے۔ ظاہر بات ہے سارے مسلمان تو ایک جیسے مضبوط ایمان کے مالک نہیں تھے ع "خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد"۔ چنانچہ کچھ تازہ اہل ایمان جن کے دلوں میں ایمان ابھی محکم نہ ہوا ہو' ممکن ہے کہ اس طرح کی سازش کا شکار ہو جائیں اور اُن کے دل ڈول جائیں۔ ایسی ہی صورت حال کا نقشہ قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے :

﴿ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾ (المائدۃ : ۶۱)

"اے مسلمانو! جب یہ تمہاری محفل میں آئے تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ (دلی) کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکل گئے' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپائے ہوئے ہیں"۔

یعنی ان کی نیت ہی خراب تھی' ارادہ سازش کا تھا۔ اب آپ خود اندازہ کریں جو شخص صبح آٹھ بجے ایمان لا کر رات کو آٹھ بجے مرتد ہوا' اس نے بارہ گھنٹے اسلام کی حالت پر بسر کیے' ہو سکتا ہے چار نمازیں بھی رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھی ہوں' ان اوقات میں اگر وہ مر جاتا تو قانوناً مسلمان ہی شمار ہوتا اور آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھاتے' حالانکہ درحقیقت وہ دلی کفر کے ساتھ ہی داخل ہوا تھا اور کفر کے ساتھ ہی نکل گیا۔ وہ شخص اپنے بارے میں خوب جانتا تھا کہ میں دھوکہ دے رہا ہوں۔ یہ ہے شعوری نفاق یا بالارادہ نفاق۔

غیر شعوری نفاق :

قرآن حکیم میں جن منافقین کا تذکرہ آیا ہے ان میں ۹۹ فیصد یا کم سے کم ۹۰ فیصد لوگ غیر شعوری منافق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جب بھی ان کا تذکرہ کرتا ہے تو "لَا یَشْعُرُوْنَ" اور "لَا یَعْلَمُوْنَ" کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ○ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ○ ﴾ (البقرۃ : ۹)

"بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت مؤمن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں مگر دراصل وہ اپنے آپ کو ہی دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔"

قرآن حکیم میں جن منافقین کا تذکرہ ہے ان کی اکثریت غیر شعوری نفاق کی حامل تھی۔

غیر شعوری نفاق کی بنیاد :

انسان کے اندر ایک فیکلٹی ہے جسے انگریزی زبان میں rationalization کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک مجرم جرم کر رہا ہوتا ہے تو وہ ساتھ ساتھ اپنے آپ کو مطمئن (justify) بھی کر رہا ہوتا ہے۔ ایک کارخانہ دار مزدور کا استحصال کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے کہتا ہے کہ چونکہ مزدور دل لگا کر محنت سے کام نہیں کرتا لہٰذا مجھے اس کا حق مارنے کا استحقاق ہے۔ دوسری طرف مزدور کارخانہ دار کی چوری کرتا ہے اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے کہتا ہے کہ چونکہ مالک ہمارا استحصال کرتا ہے، ہمارا خون چوستا ہے، لہٰذا چوری کرنے کا مجھے حق ہے۔ اسی نفسیاتی اصول کے تحت عبداللہ بن اُبَیّ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدانِ اُحد سے واپس ہوا تھا کہ جب آپؐ ہماری بات نہیں مانتے، ہمارا مشورہ نہیں سنتے، تو ہم خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالیں؟

﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ (آل عمران : ۱۵۴)

"وہ کہتے ہیں کیا اس اہم معاملے میں ہمارا بھی کوئی حصہ تسلیم ہے؟"

اور پھر کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو "مَاقُتِلْنَا هٰهُنَا" "تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے"۔

نفاق سامنے کب آتا ہے؟

جس معاشرے میں دعوت و تحریک نہیں ہوتی اور جمود (stagnation) ہوتا ہے تو وہاں ایمان کا بھی جمود ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کا ایمان زیرو لیول پر ہے تو وہیں پڑا رہے گا۔ جونہی وہاں دعوت و تحریک کا آغاز ہوگا امتحان و آزمائش کا مرحلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ صورت حال یوں بنتی ہے کہ اللہ بھی پیارا ہے' رسول اور جنت سے بھی پیار ہے' دوسری طرف جان و مال بھی پیارے ہیں اور گھر کا آرام بھی پیارا ہے۔ گویا ؎

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

آب ایمان میدان کی طرف پکار رہا ہے۔ اگر ایمان کے تقاضے پر لبیک کہا تو ایمان کی ترقی و اضافے کی طرف سفر شروع ہو جائے گا ـــــ جبکہ دوسری طرف علائق دنیا انسان کو رُکنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ پاس بیٹھے رہو اور بہانہ بنا دو' یا جھوٹ بول دو' بلکہ ضرورت پڑے تو قسمیں کھا کر اس آزمائش سے خود کو بچا لو ـــــ بس ایسے ہی موقع پر نفاق نکھر کر سامنے آ جائے گا۔

نفاقِ عملی یا عمل کا نفاق :

بعض احادیث میں کچھ اعمال کے حوالے سے نفاق کا تذکرہ ہوا ہے اور بعض اعمال کو نفاق کی علامات قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ' وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (۱۳)

"منافق کی تین نشانیاں ہیں : (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے' (۲) جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے' (۳) امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔"

مسلم شریف کی روایت میں اضافی الفاظ ہیں اور وہ بہت سخت ہیں :

((وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ)) (۱۴)

"خواہ وہ شخص روزے رکھتا ہو' نماز پڑھتا ہو اور اپنے تئیں پورا یقین رکھتا ہو کہ وہ مؤمن ہے"۔

ایک روایت میں چار نشانیاں بھی بیان ہوئی ہیں' تین سابقہ کے بعد چوتھی نشانی یہ بیان ہوئی کہ : ((وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) (۱۵) "اور جب جھگڑا ہو جائے تو بے ہودہ زبان استعمال کرے (گالی گلوچ پر اُتر آئے)"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس میں ان میں سے ایک نشانی پائی جائے وہ ایک چوتھائی (۱/۴ یا ۲۵ فیصد) منافق ہے' جس میں دو نشانیاں پائی جائیں وہ آدھا (۱/۲ یا ۵۰ فیصد) منافق ہے اور جس میں تین نشانیاں پائی جائیں وہ تین چوتھائی (۳/۴ یا ۷۵ فیصد) منافق ہے۔ چونکہ یہاں نفاق کا لفظ اعمال کی وجہ سے آیا ہے لہٰذا اہل علم نے اسے عملی نفاق قرار دیا ہے یا کردار و اخلاق کے نفاق کا نام دیا ہے۔ البتہ عقیدے کا نفاق اُس وقت ہو گا جب اُس کے دل میں فتور ہو اور نیت کی خرابی ہو۔

نفاق سے متعلق مغالطے اور وضاحتیں

نفاق کے ضمن میں بڑے بڑے مغالطے ہمارے ذہنوں میں بیٹھے ہوئے ہیں' حتیٰ کہ پڑھے لکھے لوگ اور علماء کہلانے والے بھی ان مغالطوں کا شکار ہیں :

پہلا مغالطہ :

"نفاق صرف دورِ نبوت میں تھا' اب اس کا وجود نہیں ہے۔"

وضاحت :

اس حد تک تو یہ بات صحیح ہے کہ ہمارے اِس دَور میں کسی کا نام لے کر اسے منافق

نہیں کہا جا سکتا' کون منافق ہے اور کون نہیں' اس کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ تو کر سکتے تھے کیونکہ آپ کے پاس وحی کا علم آتا تھا لیکن آپ کے بعد کوئی شخص کسی دوسرے کو منافق قرار نہیں دے سکتا۔ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعے (۱۶) سے راہنمائی ملتی ہے۔ ہوا یوں کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر کچھ منافقوں نے رات کی تاریکی میں حضور اکرم ﷺ پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت آپ ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہے تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اُس وقت آپ کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل رہے تھے' بہرحال اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی اور حضرت حذیفہؓ نے بھی مقابلہ کیا' آپؐ بچ نکلے۔ منافقوں نے ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے' رات کی تاریکی تھی' حضرت حذیفہؓ تو نہ پہچان سکے' تاہم اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو بتایا کہ یہ فلاں فلاں منافق تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے منافقین کے بارے میں بھی حضرت حذیفہؓ کو بتا دیا تھا اور ساتھ ہی سختی سے روک بھی دیا تھا کہ حذیفہ دیکھو یہ میرا راز ہے' کسی سے نہیں کہنا۔ اسی سے حضرت حذیفہؓ کا یہ لقب بن گیا : "صاحبُ سِرِّالنبی" کہ یہ نبی ﷺ کے رازدان ہیں۔ لہٰذا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی کو منافق قرار دینے کا مجاز نہیں کیونکہ نفاق کی کوئی Legal entity (قانونی حیثیت) نہیں ہے۔ واضح رہے کہ اتنا معلوم ہونے کے باوجود بھی آپ ﷺ نے یہ احتیاط برتی کہ اپنی حیات طیبہ میں چند ایک افراد کو چھوڑ کر کہ جن کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی' کسی کو منافق قرار دے کر اس کا تعلق اُمّت سے (۱۷) منقطع نہیں کیا۔ بہرحال جزوی طور پر یہ بات صحیح ہے کہ دورِ نبوی کے بعد کسی کو معین طور پر منافق قرار نہیں دیا جا سکتا' البتہ جس طرح ایمان اور کفر ہمیشہ ساتھ رہیں گے اسی طرح نفاق بھی ہمیشہ رہے گا اور ریاکاری و اخلاص بھی ہمیشہ رہیں گے۔ معاشروں میں نسبت و تناسب میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ دورِ نبویؐ میں اگر نفاق ہو سکتا ہے تو ہمارے دور میں اس کا زیادہ امکان ہے' اس دور میں تو سوگنا زیادہ نفاق ہو سکتا ہے۔

دوسرا مغالطہ :

"ہم تو مسلمان ہیں' نفاق کا ہم سے کیا سروکار؟ گویا کہ ہم ہر اعتبار سے محفوظ ہیں'

بلکہ قلعہ بند ہیں، ہمیں تو نفاق چھو کر بھی نہیں جا سکتا۔"

وضاحت :

ہماری غلط فہمی یا خوش فہمی کا تقابل اس امر سے کر کے دیکھ لیں کہ کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اپنے بارے میں نفاق کے اندیشہ میں مبتلا رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (صاحبُ سرّ النبی) کو قسم دے کر پوچھا کہ کہیں میرا نام تو منافقین کی اُس لسٹ میں نہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بتلائی؟۔ ذرا غور کریں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو اندیشہ نفاق لاحق ہے اور ہم بے فکر ہیں۔ حضرت حنظلہ بن ربیع الکاتب الاسیدی ایک انصاری صحابی ہیں۔ وہ گھر سے نکلے، ایک عجیب غلبہ حال کی کیفیت طاری تھی، چلے جا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا۔ کہنے لگے "نافق حنظلہ" (حنظلہ منافق ہو گیا) پوچھا کیسے منافق ہو گئے، کہنے لگے: جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپؐ جنت دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اور جب گھر بار اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ یہ فرق نفاق ہی تو ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو خود ہی انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے کہا : حنظلہ یہی حال ہمارا بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر دریافت کرتے ہیں۔ ماجرا جاننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے حنظلہ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے، یہ تو عین ایمان ہے۔ میری مجلس میں تمہاری جو کیفیت ہوتی ہے اگر وہ مسلسل رہے تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں میں مصافحہ کرنے لگیں اور اے حنظلہ ایسی گھڑی تو کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے۔[۱۸]

اب موازنہ کر لیجئے کہ ہم تو اپنے آپ کو نفاق کے روگ سے محفوظ اور مامون سمجھے بیٹھے ہیں جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں منافقین کا ذکر آیا ہے ہمارا سرے سے ان سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں، ہمارے ہاں تو اسے گریباں میں جھانکنے کی نوبت بھی کبھی نہیں آتی، ڈر، خوف اور لرزہ

طاری ہونا تو دور کی بات ہے۔ اس ضمن میں اس مشہور قول سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے : "مَا اَمِنَهُ اِلاَّ مُنَافِقٌ وَ مَا خَافَهُ اِلاَّ مُؤْمِنٌ" یعنی "نفاق سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا مگر منافق اور اس کے بارے میں خوف نہیں رکھتا مگر مؤمن"۔(۱۹)

اسی بات کو ایک مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس راہی مسافر کی گٹھری میں مال ہو گا وہ رات کو چین سے نہیں سو سکے گا بلکہ ہمیشہ اندیشے میں مبتلا رہے گا اور جس کے پاس کچھ نہ ہو گا وہ پاؤں پسار کر سوئے گا۔ اور اگر کسی کا مال چوری ہو جائے اور ہاتھ خالی ہو جائیں تو وہ بھی پُرسکون سوئے گا۔ بقول شاعر ؎

رہا کھٹکا نہ چوری کا' دُعا دیتا ہوں رہزن کو

چنانچہ جس کے پاس ایمان کی پونجی ہی نہیں اُس کو کس چیز کا ڈر' ہاں البتہ جس کے پاس ایمان کا سرمایہ ہو گا اُسی کو نفاق کے ڈاکے کا ڈر لگا رہے گا۔ (جاری ہے)

حواشی

(۹) جو مخلص صاحب ایمان صحابہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان کا ایمان افروز واقعہ تفہیم القرآن ۲/ ۲۴۵ تا ۲۴۹ تفسیر سورۃ التوبہ حاشیہ ۱۱۹ میں دیکھا جا سکتا ہے (مرتب)

(۱۰) غزوۂ اُحد کے موقع پر جب جہاد کی ندا بلند ہوئی تو حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں تھے' انہوں نے اتنا توقف بھی نہیں کیا کہ غسل کر لیں اور حاضر ہو جائیں' بلکہ فوراً لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو گئے اور دورانِ معرکہ شہید ہو گئے۔ عام طور پر شہید کو غسل نہیں دیا جاتا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے ان کے اہل خانہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت حنظلہ حالت جنابت میں ہی معرکے میں چلے گئے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اسی لئے اسے فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ ملاحظہ ہو الاستیعاب' حالات زندگی ۵۶۷ و اسد الغابۃ حالاتِ زندگی ۱۲۸۱ و المستدرک ۳/ ۲۰۴ و الاصابۃ ۲/ ۱۱۹' اور دیگر حالات صحابہ پر مشتمل کتب تاریخ (اضافہ از مرتب ابو عبد الرحمٰن)

(۱۱) گویا کہ یہ نور یہاں سے نہیں ملا بلکہ دنیا سے کما کر لایا گیا ہے۔ یعنی جو نورِ ایمان اور نورِ اعمال دُنیا میں کمایا تھا یہاں آ کے ظاہر ہوا ہے۔ فریقین کے اسی مکالمے کے دوران اہل ایمان آگے نکل جائیں گے اور منافقین ان کا منہ تکتے پیچھے رہ جائیں گے۔ (ماخوذ)

(۱۲) مال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر ایمان کے تقاضے اور مطالبے بھول گئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پیشگی مطلع کر دیا تھا کہ ﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ تمہارے مال اور تمہاری

اولاد تمہارے لئے سامان آزمائش ہے۔

(۱۳) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق ح ۳۳۔۳۴

(۱۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق ح ۵۸۔۵۹

(۱۵) حوالہ سابقہ

(۱۶) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۵/ ۹۲۲ کے اہم واقعات بسلسلہ غزوۂ تبوک۔

(۱۷) یہاں تک کہ رئیس المنافقین علیہ ما علیہ عبداللہ ابی کی نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ اس کے نوجوان بیٹے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی مومن صادق تھے اور انہوں نے درخواست کی کہ میرے والد انتقال کر گئے ہیں، آپ اپنا کرتہ عنایت کردیں، ان کو کفن دینا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے کرتہ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضورؐ یہ کس کو کرتہ دے رہے ہیں؟ فرمایا: عمر میرا کرتہ اسے عذاب سے نہ بچا سکے گا البتہ کرتہ نہ دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مروت و شرافت کے خلاف تھا۔ بلکہ مجھے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح حضور نے قرض اتارا تھا، کیونکہ غزوۂ بدر کے اسیروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی شامل تھے۔ وہ گرفتار ہو کر کافروں کے ساتھ ہی آئے تھے، اب حالت اسیری میں انہیں کرتے کی ضرورت پڑ گئی۔ وہ بہت طویل القامت تھے۔ حضرت عباس کے قد کے برابر عبداللہ بن اُبی تھا۔ لہٰذا عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ حضرت عباس کو دیا اب گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ عبداللہ بن ابی کی خاطر دے کر اُس قرض کو برابر کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (ماخوذ از محاضرات حقیقتِ ایمان)

(۱۸) صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر..... الخ ح ۲۷۵۰ و سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ باب ۵۹، ح ۲۵۱۴۔ واضح رہے یہ الفاظ حدیث کا ترجمہ نہیں ہے بس مفہوم حدیث اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۱۹) یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ملاحظہ ہو صحیح البخاری کتاب الایمان باب خوف المومن من ان یحبط عمله وهو لا یشعر معروف تابعی ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلهم یخاف النفاق علی نفسه" (صحیح بخاری حوالہ سابقہ) "میں تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں، ہر ایک اپنے بارے میں نفاق کے خطرے میں مبتلا تھا"۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوف و خطرے کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے: "اس لئے کہ مومن پر کبھی اس طرح کے حالات طاری ہو جاتے ہیں جنہیں وہ اخلاص کے منافی خیال کرتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر انہیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) خطرہ محسوس ہو رہا تھا تو وہ فی الواقع اس میں مبتلا ہو گئے ہوں بلکہ ورع و تقویٰ میں مبالغہ و شدت کی وجہ سے انہیں یہ احساس تھا۔ (فتح الباری ۱/ ۱۳۶ طبع الریان، مصر) (اضافہ از مرتب غفر اللہ لہ ولوالدیہ)

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ

پروفیسر احمد الدین مارہروی

قرآن حکیم کی سورۃ الصّٰفّٰت میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ○ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ○ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ○ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ○ فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ○ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ○ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ○ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ○ ﴾

(آیات ۱۳۹-۱۴۶)

"اور تحقیق یونس پیغمبروں میں تھے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ پھر جب قرعہ ڈالنے والوں میں شریک ہوئے تو انہی کا نام نکلا۔ پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے کو ملامت کرنے لگے۔ اور اگر وہ خدا کے نام کی تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔ تو ہم نے انہیں ایک چٹیل جگہ پر ڈال دیا اور اس وقت ان کی حالت بڑی سقیم تھی۔ اور وہاں ہم نے یقطین کا ایک پودا اگا دیا"۔

حضرت یونس علیہ السلام کو جس قوم کی رُشد و ہدایت کا فریضہ سپرد ہوا تھا' اس کے متعلق جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ عراق کے مشرقی علاقے میں آباد تھی۔ اس لئے کشتی میں سوار ہونے' مچھلی کے نگلنے اور پھر انہیں قرب و جوار ہی میں کہیں چٹیل اور بے آب و گیاہ ساحل پر اُگل دینے کا واقعہ پیش آیا ہو گا۔ اس بات کی بھی تحقیق ہو گئی ہے کہ جس مچھلی کا اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے وہ وہیل تھی اور میرا خیال ہے کہ بلین (Bleen) قسم کی ہو گی' جس کے دانت نہیں ہوتے بلکہ اوپر کے جبڑے یا تالو میں چھلنی کی طرح کا ایک پردہ

لگتا رہتا ہے۔ چھوٹی غذا اس میں سے چھن کر اندر جاتی ہے اور بڑی (جیسے کہ انسانی جسم) کو نگلتے وقت چھلنی ایک طرف ہٹ جاتی ہے اور شکار بلا چبائے اندر چلا جاتا ہے لیکن اس کا ہضم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ بالعموم یا تو وہ اسے اُگل دیتی ہے یا مر جاتی ہے' چنانچہ دونوں قسم کے واقعات مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام جب اس کے پیٹ میں گئے تو وہ انہیں جزوِ بدن نہ کر سکی۔ ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا اور استغفار کی' جس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں اس طرح کیا گیا ہے :

﴿ . . . فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ . . . ﴾

"... آخر کار انہوں نے (سمندر اور وہیل کے پیٹ کی) تاریکیوں میں سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی حاجت روا نہیں ہے' تُو پاک ہے اور میں ہی گناہگاروں میں سے ہوں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی..."

اور نتیجتاً وہیل نے انہیں ایک ایسے کنارے پر لے جا کر اُگل دیا جو ایک چٹیل ساحل تھا اور وہاں خدا تعالیٰ نے کمال شفقت و مہربانی سے ایک نئے قسم کا شجر (پودا) اُگا دیا' جس کو یقطین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لیکن ادنیٰ تفکر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ یقطین کی کوئی خاص قسم تھی۔

ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کی آیات اور اس کی حکمتوں پر غور کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام کی کیا حالت تھی اور اُن کو کن اشیاء کی ضرورت رہی ہوگی۔

پہلی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے اور ابکائیاں لے کر اُگلنے کے بعد ان کی کھال جگہ جگہ سے اُدھڑ گئی ہوگی' اس میں زخم پڑ گئے ہوں گے جن پر مکھیوں کے بیٹھنے اور ستانے اور ان میں زہریلے جراثیم کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اُنہیں سخت اذیت کا سامنا ہوگا۔ دوسرے اس حالت میں سخت اور سنگلاخ زمین پر لیٹے رہنا تکلیف کا باعث ہوتا ہوگا اور کروٹ لینے سے زخموں میں رگڑ لگتی ہوگی۔ پھر دھوپ کی تپش اول تو ویسے ہی تکلیف دہ ہوتی ہے اور زخموں میں تو آفتاب کی کرنیں تیر و نشتر بن کر چبھتی ہوں

گی' اس کے علاوہ کھانے پینے کے لئے غذا اور پانی کی ضرورت ہو گی۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے ان جملہ ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے وہاں یہ مخصوص پودا اُگا دیا۔

لیکن اس یقطین کا ادراک اور صحیح طور پر سمجھنا دُور بیٹھے ہوئے مترجمین اور مفسرین کے لئے آسان ثابت نہ ہو سکا۔ عام طور پر اس کا ترجمہ "کدّو کا پیڑ" کیا گیا ہے' جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے اسے "ایک درخت بیل والا یعنی کدّو" کہا ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کدّو کا لفظ حذف کر دیا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی شاہ صاحب ہی کا اتباع کیا ہے۔

میں خود اس کے متعلق عرصہ تک مذبذب رہا' حتیٰ کہ پاکستان معرض وجود میں آ گیا اور مجھے بحیثیت ناظم تعلیمات تین سال تک مکران میں قیام کرنے اور گھوم پھر کر اس تمام علاقے کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اہل مکران کی زبان مسخ شدہ فارسی ہے' لیکن اس میں دوسری زبانوں بالخصوص عربی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ پنجابی اور انگریزی کے الفاظ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ بلیدہ میں ایک نیا لفظ آگین (ا۔ گ۔ ی۔ ن) سننے میں آیا جو ایک خاص قسم کی گول لوکی کے واسطے استعمال ہوتا ہے جو تربوز کے برابر ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر تو یہ لوکی ہی ہوتی ہے' لیکن اس کا مزا ککڑی سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اس میں شیرینی بھی ہوتی ہے اور پانی کا جزو تو بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ چھلکا بھی اتنا نرم اور لذیذ ہوتا ہے کہ بآسانی کھا لیا جائے۔ ہمیں تو اسے بجائے پکانے کے کچا کھانے میں زیادہ لطف آتا تھا۔

ایک روز یکایک خیال آیا کہ کہیں یہی تو وہ پودا نہیں جو خدا تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے واسطے اس چٹیل میدان میں پیدا کیا تھا اور جس کا ذکر اوپر کی آیات میں کیا جا چکا ہے۔ لفظ آگین کی ساخت پر غور کیا تو ایسا نظر آیا کہ "ق" کا تلفظ تو موجودہ عربی کی طرح "گ" میں تبدیل ہو گیا۔ "ی" الف سے بدل گئی اور "ط" کثرتِ استعمال سے حذف ہو گیا۔ اس طرح یقطین نے "آگین" کی شکل اختیار کر لی۔

اس کے بعد یہ جستجو ہوئی کہ نجانے اس کا پودا کس ماحول میں نشو و نما پاتا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں۔ خوش قسمتی سے مکران کے صدر مقام تربت میں حکومت پاکستان کے شعبہ تحفظ پودا جات (Plant Protection) کا بھی ایک دفتر ہے' اس سے بھی

اس سلسلہ میں رابطہ قائم کیا گیا۔ پتہ چلا کہ یہ ساحلی علاقوں میں خود رو اُگا کرتا تھا لیکن اب جو بازار میں اس کی مانگ بڑھی تو کاشتکاروں نے کھیتوں میں بھی بونا شروع کر دیا ہے۔

مکران کا ساحل طبعی طور پر ساحل عراق سے مشابہ ہے۔ اس کے قریب مچھلیوں کی بڑی کثرت ہے، جو قدیم ایام سے اس علاقہ کے لوگوں کی خوراک اور ذریعہ آمدن ہیں۔ چنانچہ پسنی اور گوادر کی بندرگاہوں کو ماہی گیروں کی جنت کہا جاتا ہے اور انہی علاقوں میں اَگین کی پیداوار ہوتی ہے۔ ہم نے ان مقامات کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔ جگہ جگہ مچھلیوں کی گلی سڑی ہڈیوں اور کانٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن پر یہ پودا اُگتا اور خوب نشوونما پاتا ہے۔ غلاظت کے یہ انبار بہت اعلیٰ قسم کی کھاد کا کام دیتے ہیں اور سمندر کے بخارات سے پیدا ہونے والی شبنم نیچے گر کر ان کی آبیاری کرتی ہے۔ بیل دور دور تک پھیلی ہوتی ہے جس کے اندر بیک وقت ایک نہیں دو چار انسان اپنے آپ کو بخوبی چھپا سکتے ہیں۔ پتے نہایت چکنے اور ملائم ہوتے ہیں جو نیچے نرم و نازک گدوں اور اوپر اوڑھنے کے لئے ریشمی چادر کا کام دیتے ہیں۔ تری اور خنکی اتنی ہوتی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اندر چھپے ہوئے انسان کو تکلیف نہیں دے سکتیں۔ اس کا پھل، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، ککڑی کی طرح نہایت لذیذ، میٹھا، سبک اور ہاضم ہوتا ہے اور مریضوں کے لئے بڑی اچھی غذا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اندر رطوبت اتنی ہوتی ہے کہ پانی نہ بھی میسر آئے تب بھی پیاس نہیں لگتی۔

ایک عجیب بات جس نے ہم سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، یہ تھی کہ کھلے ساحل پر دھوپ میں جہاں مچھلی پڑی ہوتی ہے وہاں کیڑے مکوڑوں اور مکھیوں کی بڑی افراط ہوتی ہے لیکن اس پودے کے قریب دُور دُور تک ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ محکمہ پودا جات نے اس معاملہ میں بڑی مدد کی۔ ان کے افسروں نے اس کے پتوں اور ڈنٹھلوں کا کیمیاوی تجزیہ کر کے پتہ لگایا کہ اس کی رگ و پے میں جو عرق دوڑتا پھرتا ہے اس کے اندر ایک کیمیائی مادہ شامل ہے جو حشرات الارض کے واسطے مہلک بھی ہے اور اس کی بُو ان کو ناگوار بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ادنیٰ کیڑے تو درکنار سانپ بچھو بھی اس طرف کا رُخ کرنے سے کتراتے ہیں۔

قرآن مجید، جس کا محض پڑھ لینا لوگ باعث ثواب و برکت اور اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، دراصل علم و حکمت کا ایک بحرِ زخّار ہے جس میں خود صاحب کلام ہی کو علم ہے کہ کتنے گوہر آبدار پوشیدہ ہیں اور ان کی دریافت کے لئے کتنی گہرائی تک غواصی کرنے کی ضرورت ہے۔ علماء، مفسرین اور محققین چودہ سو برس سے اسی تگ ودو میں مصروف ہیں اور انہوں نے دنیا کو بے شمار صدف گوہردار فراہم کئے ہیں لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس لامتناہی خزانہ کا کتنا حصہ ایسا ہے جو ابھی تک نظروں کے سامنے نہیں آسکا۔ مجھے جب خود اس قسم کا کوئی نکتہ ہاتھ آجاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مرتبہ قرآن پڑھ چکا ہوں، یہ معمولی سی بات پہلے کیوں سمجھ نہیں آئی، مگر جب اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ ؎

ذہن میں جو گھر گیا' لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

تو دِل پکار اُٹھتا ہے کہ قرآن اسی ہستی کا تو کلام ہے، اس کو تو لوگ قیامت تک اسی طرح سمجھنے کی کوشش میں لگے رہیں گے اور کل نکات کو اس وقت تک بھی حل نہ کر سکیں گے۔

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ نہ ہو!
لیکن آپؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبت کے تقاضے کیا ہیں،
ہم میں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر **ڈاکٹر اسرار احمد** کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسولؐ اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچائیے!

صفحات ۳۲ • قیمت/۶ روپے

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ——— اور

بعثتِ محمدی کی تمامی و تکمیلی شان ——— نیز

انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ———

ایسے اہم موضوعات پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

حد درجہ جامع تصنیف

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

کا مطالعہ کیجیے

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○ دیدہ زیب کتابت

مرکزی انجمن خدام القرآن ○ ۳۶۰ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

دین میں علم کی اہمیت

کرنل (ر) محمد یونس

الحمد للّٰہ وکفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ علٰی عبادہِ الَّذین اصطفٰی

امّا بَعدُ فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ﴾

(بنی اسرائیل : ۷۰)

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ (الانعام : ۱۶۶)

﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (فاطر : ۳۹)

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت : ۵۶)

مندرجہ بالا چار آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اضافی خصوصیت کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا : "اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت دی"۔ دوسری اور تیسری آیات اس کرۂ ارضی پر انسان کے status یا رتبے کے تعین سے متعلق ہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے "اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر رفعت عطا کی تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تمہیں دے رکھی ہیں"۔ اور تیسری آیت میں ارشاد ہے : "وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو اب جو

اِنکار کی روش اختیار کرے گا تو اس کے انکار کا وبال اسی پر پڑے گا اور کفار کا کفران کے رب کے ہاں تو اس کا غضب بڑھانے کا ہی موجب ہوتا ہے۔ اور کافروں کا کفران کے خسارے میں ہی اضافہ کرتا ہے"۔ چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد بیان فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد ہے "اور نہیں پیدا کیا میں نے جِنّوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ یعنی یہاں جِنّوں اور انسانوں کی تخلیق کا واحد مقصد "عبادتِ رب" متعین ہو گیا۔ لہٰذا تخلیق کے لحاظ سے انسان اشرف المخلوقات ہے' رتبے کے لحاظ سے اس کرۂ ارضی پر اللہ کا نائب ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد "عبادتِ رب" ہے۔

علم کی ضرورت

جب انسان کے status کا تعین ہو گیا تو علم کی ضرورت خود بخود واضح ہو گئی' کیونکہ ایک جاہل اور گنوار انسان خلیفۃ اللہ ہونے کے تقاضوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ بغیر علم کے نہ تو وہ اللہ کی صفاتِ کمال کو پہچان سکتا ہے اور نہ ہی اپنی حقیقت کا عرفان حاصل کر سکتا ہے۔ دینِ اسلام' جو انسان کی دنیاوی اور اُخروی کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح کے لئے عظیم مینارۂ نور ہے' وہ اس وصف کے حصول کو انسان کے لئے لازم قرار دیتا ہے اور اسے اس کی دینی و دنیاوی ترقی و ترفع کے لئے زینہ قرار دیتا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ہر اُس علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسلامی عقیدہ و عمل سے مزاحم ہوئے بغیر انسانی معراج کا ضامن ہو۔ اسلام کسی بھی مفید علم کے حصول سے منع نہیں کرتا بلکہ ہر علمِ نافع سے فیضیاب ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہر اُس علم سے بیزاری کا اظہار بھی کرتا ہے جو ذہن و فکر کو گمراہی کی طرف موڑ کر انسان کو اللہ اور اللہ کے دین سے نا آشنا رکھتے ہوئے اسے الحاد اور دہریت کی کھائی میں دھکیل دے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

مغربی سائنس دانوں کا یہ عقیدہ کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم براہ راست اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت کرسکتے ہیں اور جو چیز ہم اپنے حواس کے ذریعے دریافت نہیں کرسکتے وہ یا تو موجود ہی نہیں ہے یا معدوم کے درجے میں ہے' ایک ایسا مفروضہ ہے جو ہمہ تن بصیرت سے محروم ہے' کیونکہ یہ مظاہر قدرت جن پر سائنس کے مشاہدات و معلومات کا انحصار ہے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور صفات کے نشانات اور دلائل ہیں۔ تاہم طبیعیاتی علوم کی درسی کتب مغرب کے حکمائے طبیعیات کے اسی غلط اور بے بنیاد عقیدے پر مبنی ہیں۔ یہی عقیدہ مغرب کے تمام حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم کا بھی نقطۂ آغاز ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدہ میں عملی طور پر اللہ کا انکار مضمر ہے۔ لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ عقیدہ نہ تو سائنٹیفک طریقے سے ثابت شدہ ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی علمی یا عقلی بنیاد موجود ہے۔ اس ظالمانہ عقیدے کو صرف اس لئے اختراع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے خدا کے تصور کو سائنس سے خارج کرکے سائنس کو ایک ناپاک' مذہب سے غیر متعلق اور دنیاوی کد و کاوش کے طور پر پیش کیا جائے۔ تاہم عملی طور پر مغربی سائنسدان خدا کے سوا کسی اور غیر حسی صداقت کو' جو مشاہدے میں نہ آنے کے باوجود اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے ثابت ہو رہی ہو' رد نہیں کرتے اور اپنے اس بے بنیاد عقیدے کو صرف خدا کے تصور کے خلاف بروئے کار لاتے ہیں۔ مثلاً اس کائنات کی تینوں اساسی قوتیں (Fundamental forces of nature) یعنی برقی مقناطیسی (Electro-magnetic)' تجاذبی (Gravitational) اور نووی (Nuclear) قوتیں جن پر پورے عالم کے توازن کا دار و مدار ہے' سب کی سب غیر مرئی ہیں۔ ان کا وجود ان کے اثرات و نتائج ہی سے مدرک ہوا۔

اسی طرح برقی مقناطیسی طیف (Electro-magnetic Spectrum) کے اندر مرئی روشنی (Visible light) بند وار طیف (Band Spectrum) کا ایک نہایت چھوٹا سا ٹکڑا ہے' جبکہ لال کے اوپر اور بنفشی سے نیچے کا تمام حصہ غیر مرئی ہے۔ یہاں بھی غیر مرئی طیف اثرات اور نتائج کی بنا پر مدرک ہوا۔

حقیقت دراصل یہ ہے کہ صداقت صرف وہی نہیں جسے ہم براہِ راست اپنے

حواسِ خمسہ کے مشاہدے سے معلوم کر سکیں بلکہ وہ بھی ہے جسے ہم براہ راست اپنے حواس کے مشاہدے سے معلوم نہ کر سکنے کے باوجود اس کے اثرات و نتائج کو براہ راست اپنے حواس کے مشاہدے سے معلوم کر سکیں۔ پیغمبرانِ اسلام ﷺ جس علم کی بنیاد پر توحید کی دعوت دیتے رہے ہیں اس میں مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے سے حاصل ہونے والی بصیرت بھی شامل ہے، کیونکہ مظاہر قدرت ہی معرفت الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے مظاہر قدرت کو آیاتِ الٰہی کا نام دیا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ "اَلْاٰیَۃُ" کے معنی علامت ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں۔ دراصل "اٰیَۃٌ" ہر اس ظاہر شے کو کہتے ہیں جو دوسری ایسی شے کو لازم ہو جو اس کی طرح ظاہر نہ ہو، مگر جب کوئی شخص اس ظاہر شے کا ادراک کرے گو اس دوسری (اصل) شے کا بذاتہٖ اس نے ادراک نہ کیا ہو مگر یقین کر لیا جائے کہ اس نے اصل شے کا بھی ادراک کر لیا۔ امام راغبؒ نے لفظ آیت کی اس تشریح میں معرفتِ الٰہی کا نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس قسم کی معرفت کے حصول کیلئے اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ مظاہر قدرت کی تخلیق اور ساخت میں جو قوانین اور مقاصد کار فرما ہیں وہ خدا کی ہستی کے ایسے نشانات ہیں جو ایمان کا سہارا اور ہمارے لئے تقویت ایمان کا باعث ہیں۔ کسی مصنوع کے علم سے لامحالہ اس کے صانع ہونے کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ایمان، تقویٰ، حُب، انابت، خشیت، تذکر اور تشکر جیسے اعلیٰ روحانی مقامات کے حصول کیلئے بار بار ہمیں مظاہر قدرت پر تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ "الجواہر فی تفسیر القرآن" کے مصنف شیخ طنطاوی نے اپنی تفسیر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ قرآن میں آیات العلوم کی تعداد ۷۵۰ ہے، جس میں فلکیات، ریاضی، ہندسہ، معدنیات، زراعت اور دوسرے علوم طبعی ہیں اور وہ آیات جو عبادات کے متعلق ہیں وہ ۱۵۰ ہیں۔ چنانچہ اہل دانش کا ہر زمانے میں یہ خیال رہا ہے کہ قرآن جامع العلوم ہے۔ (اللہ کی عظمتیں ص ۱۱۰)

محمد احمر العراوی العصری کے مطابق قرآن حکیم کی ۷۵۶ آیات براہ راست مظاہر قدرت اور ان پر غور و فکر کی دعوت سے متعلق ہیں جبکہ احکامات پر مبنی آیات کی تعداد ۱۵۰ سے زائد نہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ قرآن حکیم کائنات کے

مطالعے اور مشاہدے پر کس قدر زور دیتا ہے۔ بلکہ مشاہدۂ مظاہر قدرت کیلئے دنیا میں سب سے پہلی مؤثر آواز جو بلند ہوئی وہ قرآن حکیم کی آواز تھی جس کا ارشاد ہے کہ مظاہر قدرت اللہ کی ہستی اور صفات کے نشانات ہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے کا تعلق ہے قرآن حکیم ہم سے کسی کور ایمانی (Blind Faith) کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ تاکید کرتا ہے کہ اللہ کو جاننے اور ماننے کیلئے اپنے حواس کو بیدار رکھا جائے اور جہاں قرآن اپنی آیات پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہاں یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ اندھے بہرے بن کر ان آیات پر مت گرو بلکہ ان مضامین اور مفاہیم پر تدبر و تفکر کرو، کیونکہ قرآن حکیم کے مطالب اور معانی سے صرف وہی لوگ بہرہ ور ہو سکتے ہیں جو سننے والے کان اور بیدار و فعال ذہن رکھتے ہیں۔ پھر قرآن مجید اس سلسلے میں بطورِ خاص تاکید کرتا ہے کہ علم کے بغیر کسی بات کے پیچھے مت پڑو کیونکہ تمہارے کانوں، آنکھوں اور ذہنوں میں سے ہر ایک سے پرسش ہونے والی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے حواس اور اپنی عقل سے کام نہیں لیتے قرآن حکیم پوری تحدی کے ساتھ ان کی مذمت کرتا ہے۔ سورۃ الانفال کی آیت ۲۲ میں ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

"یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے"۔

اسی طرح سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹ میں ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۡ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۡ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ﴾

"اور ہم نے بہت سے جنات اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں (یعنی بالآخر ان کا ٹھکانہ جہنم ہونے والا ہے) اس لئے کہ ان کے دل و دماغ ہیں مگر وہ ان سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ (عقل و حواس کا شعوری

استعمال کھو کر) چوپایوں کے مانند ہو گئے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔
ایسے ہی لوگ ہیں جو سراسر غفلت میں ڈوب گئے ہیں"۔
اسی طرح سورۂ یونس کی آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہے :
﴿ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ ﴾
"اور وہ گندگی لاد دیا کرتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیا کرتے"۔

صحیح علم ایمان کا پیش خیمہ ہے اور عمل کی دعوت دیتا ہے

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آیت ۱۹ میں ارشادِ باری ہے : ﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾
"خوب اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ کیونکہ اگر اس کلمہ کا صحیح مفہوم حاصل نہیں تو ایمان بھی حاصل نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ صرف ایک علمی نظریہ ہی نہیں بلکہ باطل کے لئے دعوتِ مبارزت بھی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ معبود ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ میں اللہ سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میرے بس میں ہے میں معبودانِ باطل کو مایا میٹ کر کے رہوں گا اور دنیا والوں سے وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ اللہ کو منوا کے رہوں گا اور اگر ضرورت پڑے تو اس کوشش میں اپنی جان تک قربان کر دوں گا۔
علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

این دو حرفِ لا الٰہ گفتار نیست
لا الٰہ جز تیغِ بے زنہار نیست

یعنی لَا إِلٰهَ محض ایک قول ہی نہیں بلکہ ایک بے نیام تلوار ہے جو باطل کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن کے عقیدۂ توحید میں یہ بات مضمر ہے کہ نہ صرف وہ خود اللہ پر ایمان لائے بلکہ تمام انسانوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت بھی دے۔ اور جب وہ ایسا کرتا ہے تو دوسرے نظریات سے اس کا تصادم ناگزیر ہے اور اس تصادم میں غالب آنا اسے اپنی جان سے بھی عزیز تر ہے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں :

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

یعنی جب تک لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کی صدا سارے عالم میں بلند نہ ہو جائے اگر تو مسلمان ہے تو تو چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ لہٰذا لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ یہ اقرار ایک ایسا عہد ہے جس کو نبھانے کی مشکلات انسان کو لرزہ براندام کر دیتی ہیں۔ اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

یعنی جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز اُٹھتا ہوں کیونکہ میں لاالٰہ کے تقاضے پورے کرنے کی مشکلات سے واقف ہوں۔ بایں ہمہ یہ مت بھولئے کہ عقیدۂ توحید کی صداقت کی دلکشی اور فطرتِ انسانی کے ساتھ اس کی مکمل ہم آہنگی اور تمام علمی اور سائنٹیفک حقائق کے ساتھ اس کی پوری مطابقت مسلمانوں کے پاس ایک ایسا ناقابل تسخیر ہتھیار ہے جس کی بدولت وہ پوری دنیا کو بے تیغ و تفنگ یعنی پُرامن طریقے سے بھی زیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

قرآن میں علم کی اہمیت

قرآن حکیم علم کو ایک اعلیٰ درجہ دے کر اس کے حصول کے لئے دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ مجادلہ کی آیت ۱۱ میں ارشاد ہے : ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ "تم میں سے جو لوگ اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا"۔ یعنی رفع درجات کا اصل ذریعہ ایمان اور علم ہے۔ اور سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۹ میں ارشادِ باری ہے : ﴿بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ "بلکہ وہ واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا"۔

اسی طرح اسی سورۃ کی آیت ۴۳ میں فرمایا : ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ "اور ہم یہ تمثیلیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، مگر ان کو صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں"۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی نشانیوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سے بعض عام فہم ہیں جبکہ کچھ بغیر تحقیقات کے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں۔ تحقیقات ہی کے نتیجے میں مختلف علوم رونما ہوئے ہیں، مثلاً مسلمانوں کی تحقیقات ہی کے ثمرے میں دنیا کو الجبرا، جیومیٹری، علمِ کیمیا اور علمِ فلکیات حاصل ہوئے۔ تمام دنیاوی علوم حتیٰ کہ سائنس اور ٹیکنالوجی قرآنی آیات میں غور و فکر کے نتیجے میں ہی موجود ہوئے اور مسلمان ہی ان کے موجد اول ہیں۔ قرآنی آیات میں تدبر و تفکر دل و دماغ کو اُجاگر کرتا ہے، عقیدے اور عمل کی صحت کی بدولت انسان کی تعمیری، ایجادی اور تخلیقی قوتیں بیدار کرتا ہے اور ایک بامقصد زندگی کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے تسخیر کائنات کے حوصلے عطا کرتا ہے۔

اس کے برعکس قرآن حکیم نے بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں زبان درازی سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان کی آیت ۶ میں ارشاد ہے : ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾ "اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو فضولیات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کریں بغیر کسی علم کے اور ان آیات کا مذاق اڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے"۔ اور آیت ۲۰ میں فرمایا : ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ﴾ "اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی رہنمائی کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں"۔ یعنی نہ تو ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ علم ہے جس سے انہوں نے براہ راست خود حقیقت کا مشاہدہ یا تجربہ کر لیا ہو، نہ کسی ایسے رہنما کی رہنمائی انہیں حاصل ہے جس نے حقیقت کا مشاہدہ کر کے انہیں بتایا ہو اور نہ کوئی بصیرت افروز کتابِ الٰہی ان کے پاس ہے جس پر یہ اپنے عقیدے یا مفروضے کی بنیاد رکھتے ہوں۔

اللہ کی عظمتوں کا انکشاف علم ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے

سورۂ فاطر میں ارشاد ہے : ﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ "حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں"۔ یعنی جن لوگوں نے مظاہر قدرت میں کائنات کے حقائق و اسرار کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہو اور اللہ کی عظمتوں اور بے پناہ علم و حکمت سے بہرہ اندوز ہوئے ہوں وہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا : "مَنْ لَّمْ یَخْشَ اللّٰهَ فَلَیْسَ بِعَالِمٍ" یعنی "جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں ہو سکتا"۔

علم کے فضائل

علم کے حصول کے لئے جس قدر ترغیب و تشویق دین اسلام میں دی گئی ہے دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور انسان کی فطرت میں غیر محدود ہونے کی خواہش موجود ہے۔ مذہبی حقائق اور غیبی امور کو جاننے کے لئے انسانی فطرت بے چین رہتی ہے اور رہنی چاہئے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کے لئے بہت تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیے :

۱) ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ)) [ابن ماجہ اور بیہقی]
"علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے"۔

۲) ((اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ))
"گود سے گور تک علم حاصل کرتے رہو"۔

۳) ((مَنْ سَلَكَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ)) [ترمذی]
"جو شخص کسی ایسے راستے پر چلا جو طلب علم کا راستہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادے گا"۔

۴) ((مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ)) [ترمذی]
"جو شخص علم کی طلب میں نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ یہاں تک کہ واپس

لوٹ آئے"۔

۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ)) [رواہ الترمذی وابن ماجہ]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "ایک فقیہ (یعنی عالمِ دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے"۔

۶) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) [دارمی]

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اس غرض سے علم حاصل کر رہا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہو گا"۔

۷) وَعَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ' اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْاٰخِرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ ' اَيُّهُمَا اَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ)) [رواہ الدارمی]

اور ان ہی سے بطریق مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ ان میں سے ایک تو عالم تھا جو فرض نماز پڑھتا تھا پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا تھا اور دوسرا شخص دن کو روزہ رکھتا تھا اور تمام رات عبادت کیا کرتا تھا۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا : "اُس عالم کو جو فرض نماز پڑھتا ہے پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھلاتا ہے اُس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر عبادت کرتا ہے ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ مجھے تمہارے درمیان میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر فضیلت

حاصل ہے"۔

۸) وَعَنْهُ قَالَ : اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ ' فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ ' وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ [رواہ الدارمی]

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "علم دو قسم کا ہے' ایک وہ علم جو دل کے اندر ہوتا ہے' یہ علم تو نفع دیتا ہے۔ اور دوسرا وہ علم ہے جو زبان کے اوپر ہوتا ہے' یہ علم آدمی پر اللہ عزوجل کی دلیل و حجت ہے"۔

پہلے کو علمِ باطن کہا جاتا ہے اور دوسرے کو علمِ ظاہر۔ چنانچہ جب تک ظاہر کی اصلاح نہیں ہوتی علمِ باطن سے کچھ میسر نہیں آتا۔ اسی طرح جب تک باطن کی اصلاح نہیں ہو جاتی علمِ ظاہر کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہ دونوں علوم اصل اور بنیادی ہیں اور لازم و ملزوم ہیں جس طرح ایمان اور اسلام۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق علمِ نافع وہ ہوتا ہے کہ جب اس کی روشنی سے دل منور ہو جاتا ہے تو دل کے وہ پردے اُٹھ جاتے ہیں جو حقائقِ اشیاء کی معرفت کے لئے مانع ہوتے ہیں۔ علمِ نافع کی دو قسمیں ہیں' ایک علمِ معاملہ جو عمل پر اُکساتا ہے اور دوسرا علمِ مکاشفہ جو عمل کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے دل میں نورِ علم ڈال دیتا ہے اور جو علم زبان کے اوپر ہوتا ہے وہ نہ تو کوئی تاثیر رکھتا ہے اور نہ دل میں نورانیت پیدا کرتا ہے۔ اسی کیفیت کو مولانا رومؒ نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

اگر تو علم کو تن پروری کے لئے استعمال کرے گا تو وہ سانپ بن کر ڈس لے گا اور اگر تو علم کے ذریعے اپنا باطن آراستہ کرے گا تو وہ تیرے لئے دوست بن جائے گا۔ یعنی تمہارے دل و دماغ کی اصلاح کر کے تمہیں صحیح فکر و عمل کی طرف راغب کرے گا۔ لہٰذا راسخ العلم وہ شخص ہے جس کا علم و عمل اور حال و قال ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ مَالَمْ يَعْلَمْ)) یعنی "جو شخص اس علم کے مطابق عمل کرتا ہے جو اس نے حاصل کیا ہو تو اللہ

تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم نصیب فرماتا ہے جو نہ جانا جاتا ہے اور نہ پڑھا جاتا ہے"۔

۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنُ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا اَبْنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ)) [رواہ ابن ماجہ والبیهقی فی شعب الایمان]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: "مومن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد پہنچتا ہے اس میں ایک تو وہ علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور رواج دیا تھا۔ دوسرے نیک اولاد ہے جس کو اس نے پیچھے چھوڑا۔ تیسرے قرآن ہے جو وارثوں کے لئے چھوڑا۔ چوتھے مسجد ہے جو اس نے اپنی زندگی میں بنائی ہو۔ پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا ہو۔ چھٹے نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا ہو اور ساتویں وہ خیرات ہے جس کو اس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو"۔ قرآن کے حکم میں شرعی کتابیں بھی شامل ہیں۔

۱۰) قَالَ اَبُوالدَّرْدَاءَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُوْلُ ((مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَاِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْحِيْتَانِ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ، وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ، وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ)) [رواہ ابوداؤد]

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص علم کے حصول کے لئے سفر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتے ہیں اور طالب علم کے لئے فرشتے خوشی سے اپنے پر

(باقی صفحہ ۸۸ پر)

امام مجدُ الدّین بن اثیر جزریؒ

——— عبد الرشید عراقی ———

امام ابنِ اثیر جزریؒ کا سن ولادت ۵۴۴ھ ہے۔ ان کا نسب نامہ تاریخ ابنِ خلکان میں اس طرح درج ہے : مبارک بن محمدّ بن محمدّ بن عبد الکریم بن عبد الواحد (۱) مگر ابنِ اثیر کے نام سے شہرت پائی۔ ان کے اساتذہ کی فہرست علامہ ابنِ سبکی نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں درج کی ہے۔(۲) ان کا خاندان بھی علم و فضل کا گہوارہ تھا' ان کے والد ماجد جو محمدّ اثیر کے نام سے معروف ہوئے 'علم و فضل کے دلدادہ تھے۔ دو بھائی بھی صاحب علم و فضل تھے 'یعنی ضیاء الدین بن اثیر صاحب المثل السائرہ نامور ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ دوسرے عزّ الدین تاریخِ کامل کے مصنف بے نظیر مؤرخ تھے۔

ابنِ اثیر نے پہلے اپنے وطن کے اساتذۂ فن سے استفادہ کیا۔ بعد میں بغداد جاکر وہاں کے ائمۂ فن سے اکتسابِ فیض کیا۔ (۳)

علم و فضل : علامہ ابنِ اثیر تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر و علوم قرآنی' حدیث' فقہ' لغت و ادب میں یکتا تھے اور ادب و انشاء سے بھی ان کو خاص ذوق تھا۔ ابنِ اثیر حدیث اور معرفتِ حدیث میں یگانہ روزگار تھے۔ حافظ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ

> "ابنِ اثیر نامور محدث' احادیث کے نقد و تمیز کے ماہر اور رجال و علل میں یکتا تھے"۔ (۴)

ان کے بھائی عزالدین فرماتے ہیں کہ

> "حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں ان کو مکمل آگاہی حاصل تھی"۔ (۵)

تفسیر اور قرآنی علوم میں ان کو مکمل واقفیت تھی' حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں :

وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاَتْقَنَ فِیْ عُلُوْمِهٖ وَ حَرَّرَهَا (٦)

"قرآن مجید کا مطالعہ کیا اور اس کے علوم میں مہارت بہم پہنچائی اور ان کو

قلمبند کیا"۔

فقہ میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اربابِ سیَر نے ان کے فقہ میں صاحبِ کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ (۷)

لغت' ادب اور نحو میں بھی صاحب کمال تھے' ان کے بھائی لکھتے ہیں :

وَكَانَ عَالِمًا فِيْ عِدَةِ عُلُومٍ مِنْهَا الْفِقْهُ وَالاصُولاَنِ وَالنَّحْوُ وَالْحَدِيثُ وَاللُّغَةُ (۸)

"وہ متعدد علوم جیسے فقہ' اصول فقہ' نحو' حدیث اور لغت وغیرہ کے متبحر عالم تھے"۔

حدیث' نقد حدیث کے علاوہ ادب میں بھی ان کو دسترس حاصل تھی۔ (۹)

ادب و انشاء سے ان کو خاص مناسبت تھی اور ان کا شمار ممتاز ادیبوں اور انشاء پردازوں میں ہوتا تھا۔ ان کے بھائی ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ ادب و انشاء میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا اور وہ بلند پایہ ادیب اور انشاء پرداز تھے (۱۰)۔ مؤرخ ابنِ خلکان اور حافظ ابنِ سبکی نے ادب و انشاء میں ان کے صاحب کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ (۱۱)

شعر و سخن کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ریاضی میں بھی ان کو مکمل دسترس حاصل تھی اور اس فن میں انہوں نے کئی رسائل اور کتابیں لکھیں (۱۲) علمی کمالات کے ساتھ ساتھ زہد و ورع' عبادت و تقویٰ' امانت و دیانت اور ریاضت و عبادت میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کے بھائی ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ وہ متدین اور جادۂ مستقیم پر گامزن تھے۔ (۱۳) حسن خلق اور اخلاق فاضلہ کے پیکر تھے۔ لوگوں سے خوش خلقی اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ علامہ ابنِ عماد لکھتے ہیں :

وَكَانَ ذَا بِرٍّ وَاِحْسَانٍ (۱۴)

"وہ لوگوں کے ساتھ نیک اور عمدہ برتاؤ کرتے تھے"۔

فقہی مذہب : علامہ مجدالدین بن اثیرؒ امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مذہب سے وابستہ تھے۔ (۱۵)

وفات : آخری عمر میں فالج اور مرض نقرس لاحق ہو گیا تھا۔ اسی بیماری میں کافی عرصہ

مبتلا رہ کر ۶۰۶ھ میں ۶۲ سال کی عمر میں موصل میں انتقال کیا۔[۱۶]

تصانیف

علامہ ابن اثیر نے متعدد کتب و رسائل تصنیف کئے۔ ان کی تمام تصانیف اسلوبِ بیان اور حسن تحریر کے لحاظ سے دلکش ہیں۔ ائمہ فن نے ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی ۱۴ کتابوں کے نام اپنی کتاب "تذکرۃ المحدثین" میں درج کئے ہیں[۱۷] مگر یہاں صرف ان کی دو کتابوں کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کی جارہی ہیں۔

النہایہ فی غریب الحدیث والاثر : یہ غریب الحدیث میں مشہور اور بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کو لغت کی کتابوں کے انداز پر حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے اور اس میں حدیثوں کے مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح بیان کی گئی ہے۔ ہر لفظ کی تشریح سے پہلے حدیث کا وہ ٹکڑا بھی نقل کیا گیا ہے جس میں یہ لفظ آتا ہے۔ اس کتاب میں صرف صحاح ستہ کی حدیثوں کے مشکل الفاظ کی تشریح نہیں کی گئی بلکہ دوسری کتب حدیث کے غریب الفاظ کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ اس کے شروع میں مصنف نے ایک جامع علمی و تحقیقی مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں الفاظ حدیث کی معرفت کی ضرورت، رسول اکرم ﷺ کی فصاحت و بلاغت، فتوحات کے بعد اہل عرب کے دوسری قوموں سے اختلاط کے نتیجہ میں غیر زبانوں کے الفاظ کے عربی زبان میں داخل ہونے اور اس فن کی مشہور اور اہم کتابوں کی خصوصیات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔[۱۸]

النہایہ سب سے پہلے ۱۲۶۹ھ میں طہران سے ایک جلد میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۳۰۸ھ میں، دوسری بار ۱۳۱۱ھ میں اور تیسری بار ۱۳۲۲ھ میں مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔[۱۹]

النہایہ کی علمائے فن نے بہت تعریف و توصیف کی ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ

> "غریب الحدیث میں ابن اثیر کی النہایہ بہت جامع کتاب ہے اور اس کا شمار اس فن کی مشہور و متداول کتابوں میں ہوتا ہے۔[۲۰]

طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں کہ

"غریب الحدیث کے موضوع پر اتنی جامع اور عمدہ کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ (۲۱)

جامع الاصول فی احادیثِ الرسول : یہ علامہ ابنِ اثیر کی سب سے مشہور و مقبول کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے حدیث کی چھ اُمہات کتب کی روایات کو جمع کیا ہے۔ ابنِ اثیر سے پہلے اس طرز پر امام رزین بن معاویہ نے ایک کتاب مرتب کی تھی اور یہ کتاب امام رزین کی کتاب کا تکملہ ہے۔ علمائے فن اور اہل سیر نے اس کتاب کی تعریف و توصیف کی ہے۔ علامہ ابنِ خلکان لکھتے ہیں کہ

"اس میں صحاح ستّہ کی روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ رزین بن معاویہ کی کتاب کی طرح ہے مگر علامہ ابنِ اثیر نے اس میں بے شمار اضافے کئے ہیں۔ (۲۲)

شیخ عبد الرحمٰن بن علی الشھیر بابن الربیع الشیبانی لکھتے ہیں

"میں قدیم و جدید ائمہ فن کی اکثر کتب حدیث سے واقف ہوں مگر مجھ کو جامع الاصول سے زیادہ جامع اور عمدہ کتاب کوئی نظر نہیں آئی ـــــ مصنف نے اس کو بڑی خوبی اور عمدہ ڈھنگ سے مرتب کیا ہے اور یہ گوناگوں فوائد پر مشتمل ہے"۔ (۲۳)

جامع الاصول کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث کی چھ مستند و معتبر کتابوں کی جامع ہے۔ یعنی موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ کی روایات و احادیث کا مجموعہ ہے۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو اسلامیات کی اہم اور حدیث کی بنیادی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ اس طرز پر ایسی عمدہ کتاب اس سے پہلے لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ لکھی جائے گی۔ (۲۴)

علامہ ابنِ اثیر نے جامع الاصول میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو محض جمع ہی نہیں کیا بلکہ ان کے غریب الفاظ کی شرح بھی لکھی ہے اور ان کے فنی مسائل و مشکلات اور ان سے متعلقہ مباحث بھی بیان کئے ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"علامہ ابنِ اثیر نے جامع الاصول میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ اور غریب الفاظ کی شرح اور مشکلات کو ضبط بھی کیا ہے اور راویانِ حدیث کے ناموں اور دوسرے متعلقات فن کو بھی بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ گویا صحاح ستہ کی شرح ہے، جس طرح کہ مشارق الانوار طبقہ اولیٰ کی تینوں کتابوں (موطا، صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی شرح ہے"۔ (۲۵)

صاحب کشف الظنون نے علامہ ابنِ اثیر کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ

"میں نے جامع الاصول میں رزین کی کتاب کی تہذیب و ترتیب ابواب اور اس پر اضافے کے علاوہ اس میں غریب الفاظ کی شرح اور اعراب و معانی کی وضاحت کی ہے"۔ (۲۶)

علمائے کرام نے اس کے مختصر بھی لکھے ہیں۔ علامہ ابن الربیع الشیبانی نے "تیسیر الوصول الٰی جامع الاصول" کے نام سے اس کا مختصر لکھا جو دو جلدوں میں ہے۔ یہ پہلی بار ۱۲۵۲ھ میں کلکتہ سے شائع ہوئی اور مطبع نو لکشور لکھنؤ نے اس کو کئی بار شائع کیا۔ سید نواب صدیق حسن خان قنوجی رئیس بھوپال اس مختصر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"غرض یہ مختصر تعریف و توصیف سے مستغنی ہے، میرا ارادہ ہے کہ اس کی شرح فارسی زبان میں لکھوں تاکہ اس بہانہ سے پروانہ نجات حاصل کروں۔ اور اللہ کے ہاتھ میں توفیق ہے"۔ (۲۷)

حواشی

(۱) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان، ج ۲، ص ۲۰۳
(۲) ابنِ سبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۱۵۳
(۳) سیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص ۳۵۸
(۴) ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۱۳، ص ۵۴
(۵) ابنِ اثیر، تاریخ الکامل، ج ۱۲، ص ۱۳
(۶) ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۱۳، ص ۵۴
(۷) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان، ج ۲، ص ۲۰۳
(۸) ابنِ اثیر، تاریخ الکامل، ج ۲، ص ۱۱۳
(۹) ابنِ عماد، شذرات الذہب، ج ۵، ص ۲۲
(۱۰) ابنِ اثیر، تاریخ الکامل، ج ۲، ص ۱۱۳
(۱۱) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان، ج ۲، ص ۲۰۳۔ ابنِ سبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۱۳۵
(۱۲) ابنِ عماد، شذرات الذہب، ج ۵، ص ۲۲
(۱۳) ابنِ اثیر، تاریخ الکامل، ج ۲، ص ۱۱۳
(۱۴) ابنِ عماد، شذرات الذہب، ج ۵، ص ۲۲
(۱۵) ابنِ سبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۱۳۵
(۱۶) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان، ج ۲، ص ۲۰۴

(۱۷) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین ج ۲، ص ۳۹۴ تا ۳۹۸
(۱۸) ابنِ اثیر، مقدمۃ النہایہ ص ۲ تا ۴
(۱۹) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین ج ۲، ص ۳۹۷
(۲۰) سیوطی، تدریب الراوی، ص ۱۹۳
(۲۱) طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعادۃ، ج ۱، ص ۱۱۰
(۲۲) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان، ج ۲، ص ۲۰۴
(۲۳) ابنِ ربیع الشیبانی، مقدمہ تیسیر الوصول
(۲۴) طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعادۃ، ج ۱، ص ۱۱۰
(۲۵) شاہ عبدالعزیز دہلوی، عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ ص ۴
(۲۶) حاجی خلیفہ، کشف الظنون ج ۱، ص ۳۵۹
(۲۷) صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء، ص ۷۴ (لیکن حضرت نواب صاحب کو یہ شرح لکھنے کا موقع نہیں ملا)

بقیہ : دین میں علم کی اہمیت

بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے مغفرت کی دعا کرتا ہے اور مچھلیاں پانی کے اندر دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر حاصل ہے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ لہٰذا جس نے علم کو حاصل کر لیا اس نے وافر حصہ پالیا"۔ (جاری ہے)

• ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
• دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟

ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصور

از: ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات ۴۰ ● قیمت: اشاعت خاص ۸/- اشاعت عام ۴/-

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

کتابتِ مصاحف اور عِلمِ ضبط (۴)

علاماتِ ضبط کی ابتداء، ان کے متنوع ارتقاء اور ان کے زمانی اور مکانی ممیّزات کا اجمالی جائزہ

——— پروفیسر حافظ احمد یارؒ ———

علاماتِ ضبط کا اجمالی بیان

۳۴۔ اس فن کی کتابوں کے مطالعہ سے اور مختلف ملکوں اور زمانوں کے قلمی اور مطبوعہ مصاحف (۷۶) کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت مصاحف میں حروف کی نطقی کیفیت کو متعین کرنے کے لئے بنیادی مواقع ضبط (جہاں کسی علامت کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے) پانچ ہیں، یعنی حرکت، سکون، شد، مد اور تنوین۔ مگر علم قراءت و تجوید کے تقاضوں کے پیش نظر ان بنیادی پانچ مواقع میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ مزید نطقی کیفیات کو ضبط کرنے کی ضرورت درپیش آتی ہے۔ مثلاً حرکتؔ سے حرکاتِ ثلاثہ قصیرہ (ـَ ـِ ـُ) اور ان کی بعض خاص نطقی کیفیات مثلاً اشمام، روم، اختلاس، امالہ یا بعض خاص حروف کی ترقیق یا تخفیم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سکونؔ کی صورت میں بعض خاص صوتی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً نون یا میم ساکنہ کا اخفاء و اظہار یا حروف "قطب جد" میں قلقلہ کی کیفیت وغیرہ۔ اسی طرح تشدیدؔ ہم مخرج یا قریب المخرج حروف میں سکون اور حرکت کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی یہ متحرک حرف کے بعد آتی ہے اور کبھی ساکن حرف کے بعد۔ تنوینؔ کی اپنی مخصوص علامات ہیں۔ مزید برآں تنوین کا ملفوظی نون ساکنہ ہو یا عام مکتوبی نون ساکنہ، ان کے بعض دوسرے حروف کے ساتھ امتزاج اور اجتماع سے چند مخصوص صوتی اور نطقی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً اخفاء، اظہار، اقلاب، ادغام اور نون تنوین کے مابعد کے حرف ساکن سے اتصال کا طریقہ وغیرہ۔

حرکاتِ طویلہ یعنی مدّ کی مختلف صورتوں میں حروف مدہ کے طریق ضبط کے علاوہ ہائے کنایہ اور لام جلالت کا طریق اشباع بھی شامل ہے۔

☆ ان کے علاوہ رسم عثمانی کی بعض خصوصیات بھی مخصوص قسم کی علامات کی متقاضی ہوتی ہیں، مثلاً اصل مصاحف عثمانی میں ہمزہ متوسط یا متطرفہ کا نہ لکھا جانا یا ایسے حروف لکھے جانا جو پڑھے نہیں جاتے [زیادۃ فی الھجاء] یا ایسے حروف نہ لکھے جانا جو پڑھنے میں آتے ہیں [یعنی نقص فی الھجاء] وغیرہ۔ اس قسم کے امور بھی مخصوص رموز ضبط کی ایجاد کے متقاضی ہوئے۔ کتابتِ ہمزہ عربی زبان کی عام املاء میں بھی باعث صعوبت بنتی ہے۔ (۷۷) لیکن مصاحف میں اس کے اپنے مخصوص رسم بلکہ "عدم رسم" سے پیدا ہونے والے مختلف قراءت کے اپنے اپنے احکامِ ہمزہ مثلاً تحقیق، تسہیل یا بین بین وغیرہ نے اسے مزید پیچیدہ فن بنادیا ہے۔ المحکم اور الطراز میں سب سے طویل بیان کتابت ہمزہ اور اس کے قواعد کا ہے (۷۸)۔ اور یہ تو ہمزۃ القطع کا قصہ ہے، ہمزۃ الوصل یا الف الوصل کو ہمزہ القطع سے ممتاز کرنے کے لئے مخصوص علامت (صلۃ) کی ایجاد اور ہمزۃ الوصل میں وصل و ابتداء کی علامت کا تعین بھی اس فن (ضبط) کا ایک خاص موضوع ہیں۔ اسی طرح کتابت ہمزہ ہی کے ضمن میں یہ دلچسپ بحث کہ "لا" میں کون سا سرا الف اور کون سا لام ہے، اس بحث نے بھی اہل مشرق اور اہل مغرب کے طریق ضبط میں ایک زبردست تنوع پیدا کر دیا ہے۔ اور علم الضبط میں کسی حرف کو ہر قسم کی علاماتِ ضبط سے خالی رکھنے (تعریۃ) کے بھی مختلف قواعد ہیں، وغیر ذلک۔

۳۵۔ اس طرح اگر تفصیل میں جائیں تو یہی پانچ بنیادی علاماتِ ضبط پھیل کر چالیس سے زائد علامات کی شکل اختیار کر جاتی ہیں، جن کے ناموں کی تفصیل یوں ہے۔

(۱) حرکات قصیرہ

۱۔ علامت فتحہ ۲۔ علامت کسرہ ۳۔ علامت ضمہ

(۲) سکون :

۱۔ عام علامت سکون ۲۔ علامت سکون برائے میم مخفاۃ

۳۔ علامت سکون برائے میم مظہرۃ ۴۔ ساکن نون کے اخفاء کی علامت
۵۔ ساکن نون کے اظہار کی علامت ۶۔ ساکن نون کے اقلاب بمیم کی علامت
۷۔ ساکن نون کے ادغام تام کی علامت ۸۔ ساکن نون کے ادغام ناقص کی علامت
۹۔ علامتِ سکون برائے قلقلہ

(۳) تشدید (شَدّ) :

۱۔ عام علامتِ تشدید ۲۔ حرفِ مشدد کی حرکت کا ضبط
۳۔ مُدغم بتشدید کا تعریۃ

(۴) تنوین:

۱۔ عام علامت تنوین کا اصول ۲۔ تنوین رفع کی علامت
۳۔ تنوین نصب کی علامت ۴۔ تنوین جر کی علامت
۵۔ تنوین کے نون ملفوظی کی علامت اخفاء
۶۔ تنوین کے نون ملفوظی کی علامت اظہار
۷۔ تنوین کے نون ملفوظی کے اقلاب بمیم کی علامت
۸۔ تنوین کے نون ملفوظی کے ادغام تام کی علامت
۹۔ تنوین کے نون ملفوظی کے ادغام ناقص کی علامت
۱۰۔ تنوین کے نون ملفوظی کے اتصال مابعد کا ضبط

(۵) حرکاتِ طویلہ :

۱۔ مد طبیعی یا اصلی کی علامت ۲۔ مد فرعی کی علامت ضبط
۳۔ محذوف حروف مد کی علامات ۴۔ ہائے کنایہ اور لام جلالت کا ضبط

(۶) زیادۃ فی الہجاء

۱۔ حروفِ زوائد کی اقسام ۲۔ حرفِ زائد کی علامت

(۷) نقص فی الہجاء (حذف) :

۱۔ حروفِ محذوفہ اور ان کی علاماتِ اثبات

(۸) ہمزہ اور اس کی اقسام :

۱۔ ہمزۃ الوصل کی علامت

۲۔ ہمزۃ الوصل کے ماقبل کی حرکت کی علامت

۳۔ ہمزۃ الوصل میں وصل اور ابتداء کی علامت

۴۔ ہمزۃ القطع کی علاماتِ ضبط

۵۔ تسہیل ہمزۃ کا طریق ضبط

(۹) "لا" کی بحثِ ترکیب

۱۔ "لا" میں لام اور الف کی تعیین اور ان کا ضبط

(۱۰) ابدالِ حروف

۱۔ بدلنے والے حرف اور ان کا ضبط

(۱۱) مخصوص نطقی کیفیات

۱۔ امالہ کی علامت ۲۔ اشمام کی علامت

۳۔ علامتِ رَوْم ۴۔ علامتِ اختلاس

۵۔ علامتِ قلقلہ

(۱۲) تعریہ کے قواعد

۳۶۔ یہی (مذکورہ بالا) وہ مواضع ضبط ہیں، جن میں سے اکثر کا بیان کتب ضبط میں ملتا ہے یا جو مختلف مصاحف میں مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ البتہ عملاً کتابت مصاحف میں ان مواقع ضبط کے لئے علامات ضبط کی تعیین میں بعض نے اجمال سے کام لیا ہے اور بعض نے تفصیل سے۔ بعض نے ایک ہی علامت کو متعدد مواقع کے لئے استعمال کیا ہے اور بعض نے ہر

موقع کے لئے ایک الگ علامت ضبط کے استعمال پر زور دیا ہے۔

مزید برآں بعض دفعہ ایک ہی موقع ضبط کیلئے متعدد اور متنوع علامات ضبط بھی استعمال کی جاتی رہی ہیں اور اس تنوع کی گنجائش کی سند خود کتب ضبط سے مل جاتی ہے۔(۷۹)

اور اس تنوع میں زمانی اور مکانی خصوصیات کو تو اتنا بڑا دخل ہے کہ کتاب "المحکم" میں مختلف علاقوں یا مختلف ادوار کے مصاحف اور ان کے متنوع ضبط کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔(۸۰)

☆ علاماتِ ضبط میں تنوع کی یہ وسعت قلمی دور میں زیادہ تھی' جب مختلف علامات و رموز رنگ دار بلکہ بعض دفعہ مختلف اور متعدد رنگوں میں ظاہر کی جاتی تھیں۔ دورِ طباعت میں بھی یہ تنوع موجود ہے لیکن کم ہو گیا ہے۔ اور اب، جبکہ متعدد رنگوں والی طباعت (مہنگی سہی مگر) ناممکن نہیں رہی' تو ان پرانی خصوصیات، کے حامل مصاحف بھی شائع ہونے لگے ہیں۔ اس کی ایک آدھ مثال ترکی اور ایران کے، مطبوعہ مصاحف میں بھی ملتی ہے تاہم نائجیریا سے شائع ہونے والے بعض مصاحف تو ہو بہو قلمی دور کا نمونہ ہیں۔(۸۱)

علاماتِ ضبط کا تفصیلی بیان

۳۷۔ کتابتِ مصاحف میں علامات ضبط کے اس تنوع کے مکمل اور مفصل تقابلی مطالعہ کے لئے، کتبِ علم الضبط سے زیادہ مختلف ادوار اور مختلف ممالک کے قلمی اور مطبوعہ مصاحف کا اتنا ہی دقیق مشاہدہ درکار ہے' جس طرح اہل علم اور اصحاب ذوق کے ایک گروہ نے مصاحف امصار اور خصوصاً مختلف مقامات پر بھیجے گئے مصاحف عثمانی کا لفظ بلفظ مطالعہ کر کے علم مرسوم المصاحف کی بنیاد رکھی تھی۔ اس قسم کا کام فی زمانا کوئی ادارہ ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ بہرحال بارش کے پہلے قطرے کی سی جسارت سے کام لیتے ہوئے اس دلچسپ بحث کا کچھ حصہ' بلکہ شاید ایک غیر مربوط سا خاکہ۔ جو مقالہ نگار کے محدود مطالعہ و مشاہدہ اور ناقص علم پر مبنی ہے' قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ان علامات کا اجمالی خاکہ پیراگراف نمبر ۳۵ میں دیا جا چکا ہے' اب اسی ترتیب سے ان کی تفصیل پیش

خدمت ہے۔

۳۸۔ حرکاتِ قصیرہ : یعنی فتحہ، کسرہ اور ضمہ شروع میں ابوالاسود کے طریقہ پر رنگ دار نقطوں سے ظاہر کی جاتی تھیں (۸۲)۔ اس کے بعد الخلیل کی ایجاد کردہ حرکات (ـَ، ـِ، ـُ) استعمال ہونے لگیں اور یہی اب تک رائج ہیں۔ البتہ حرکاتِ ثلاثہ کی شکلوں میں تنوع ہے۔ فتحہ اور کسرہ بعض دفعہ بالکل ہلکی افقی لکیر کی طرح لکھی جاتی ہیں۔ یہ چیز بیشتر افریقی ممالک کے مصاحف، خط بہار میں لکھے ہوئے مصاحف اور بعض ایرانی مطبوعہ مصاحف میں مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔ ضمہ کی شکل میں زیادہ تنوع پایا جاتا ہے مثلاً و، ‌ﻫ، ‌ر، د یا ‌ﻫ وغیرہ (۸۳)۔ بعض ممالک میں حرکاتِ ثلاثہ (اور دیگر علامات ضبط بھی) ہمیشہ سرخ رنگ سے ظاہر کرنے کا رواج رہا ہے اور بعض دفعہ متن اور علاماتِ ضبط وغیرہ میں رنگوں کا تنوع آرائشی نقطۂ نظر سے اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ (۸۴)

۳۹۔ سکون : ابوالاسود نے خود تو حرف ساکن کے لئے کوئی علامت وضع نہیں کی تھی، البتہ نقط مصاحف میں ان کے متبعین نے علامت سکون کے طور پر حرف ساکن کے اوپر ہلکی سی سرخ افقی لکیر (جرۃ حمراء) تجویز کی تھی۔ اہل مدینہ اس کے لئے سرخ گول دائرہ استعمال کرتے تھے۔ (۸۵) الخلیل نے اس کے لئے "ح" اور "ہ" تجویز کیا جس میں جزم کے "ج یا "م" کی طرف اشارہ ہے (۸۶) اور یہی دو علامتیں آج کل استعمال ہوتی ہیں۔ افریقی ممالک میں زیادہ تر "ہ" کا اور مشرقی ملکوں میں "ح" یا "د" کا رواج ہے۔ بعض "د" کو خاص نون ساکنہ مظہرہ کے لئے استعمال کرتے ہیں اور "ہ" کو عام علامت سکون کے طور پر یا نون مخفاۃ اور میم مخفاۃ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ (۸۷)

☆ مشرقی ممالک میں سے چین میں عام علامتِ سکون "ہ" ہی استعمال ہوتی ہے۔ اگرچہ وہاں اس کے لئے کبھی کبھار دوسری علامت "ح" بھی استعمال کر لیتے ہیں اور بظاہر دونوں علامات بغیر کسی "رمزِ تمیز" ہونے کے مستعمل ہیں۔ یہی صورت بعض ایرانی مطبوعہ مصاحف کے اندر دیکھنے میں آئی ہے۔ (۸۸)

☆ بعض اہل علم نُقّاط نے مختلف مقاصد کے لئے مختلف علامتہائے سکون وضع کی ہیں۔ مثلاً نون یا میم ساکنہ مظہرہ کے لئے "د" اور نون یا میم مخفاۃ کے لئے "ہ" نون ساکنہ

کے ادغام ناقص کے لئے "ں" اور قلقلہ کے لئے "ه"۔[(۸۹)]

☆ عرب اور افریقی ممالک میں ادغام تام کی صورت میں نون ساکنہ کو علامت سکون سے خالی رکھا جاتا ہے اور حرف مدغم فیہ پر علامت تشدید ڈالتے ہیں اور ادغام ناقص یا اخفاء کی صورت میں نون کو عموماً علامت سکون سے اور اگلے حرف کو تشدید سے خالی رکھا جاتا ہے' یعنی اخفاء اور ادغام ناقص کے مابین کوئی علامت تمیز مقرر نہیں ہے۔[(۹۰)] یہ طریقہ نہ صرف خود علامہ التنسی کی تصریح کے خلاف ہے[(۹۱)]' بلکہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ اس میں "ادغام مع الغنہ" کی کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ یعنی حرف مدغم فیہ کے "و" یا "ی" ہونے کی صورت میں یا کوئی دوسرا حرف ہونے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ مثلاً ان مصاحف (مصری' سعودی اور سوڈانی) میں "مِن تَحتِهَا"' "مِن ثَمَرَةٍ" کی طرح "مَن يَقُولُ" اور "مِن وَالٍ" لکھا گیا ہے' حالانکہ آخری دو مثالوں میں یّ اور وّ کا ادغام مع الغنہ ہے ان مصاحف میں قاری کے لئے اس غنہ کی پہچان کی کوئی علامت نہیں ہے۔

☆ البتہ لیبی اور تونسی مصاحف بروایت قالون میں وّ اور یّ کی صورت ادغام میں نون ساکنہ پر علامت سکون اور وّ یا یّ پر تشدید بھی ڈالی گئی ہے' یعنی "مَنْ يَّقُولُ" اور "مِنْ وَّالٍ" لکھا گیا ہے۔ یہی طریقہ صاحب الطراز نے الدانی اور ابو داؤد کا "اختیار" قرار دیا ہے[(۹۲)] اور ٹھیک یہی طریقہ تمام پاکستانی مصاحف میں استعمال ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مصری اور سعودی مصاحف کا ضبط ناقص ہے۔ پاکستان کے "تجویدی مصحف" میں ادغام مع الغنہ سے قاری کو بروقت متنبہ کرنے کے لئے نون پر مخصوص علامتِ سکون ("ں") ڈالی گئی ہے اور یہ اس مصحف کی مزید خوبی ہے۔[(۹۳)]

☆ ساکن نون کے قبل از "ب" ہونے کی وجہ سے اس کے اقلاب بمیم کی صورت میں "ن" پر علامت سکون کی بجائے چھوٹی سی میم (م) لکھی جاتی ہے[(۹۴)] اور بعض اس "م" کے اوپر علامتِ سکون ڈالتے ہیں۔[(۹۵)] یعنی پہلی صورت میں "مِنۢ بَعۡدِهٖ" لکھیں گے اور دوسری صورت میں یہ لفظ یوں لکھا جائے گا۔ "مِنۢ بَعۡدِهٖ"۔

☆ "قطب جد" یعنی حروف قلقلہ کے لئے مخصوص علامتِ سکون "ه" بھی صرف پاکستانی "تجویدی مصحف" کی خصوصیت ہے' کسی اور ملک یا کسی بھی دور کے مصاحف میں

حروف قلقلہ کے لئے مختص علامت سکون دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔

☆ قلمی دور میں بعض دفعہ اخفاء یا اظہار کے لئے نون ساکنہ کے بعد یا اس کے ساتھ کوئی خاص علامت سرخ سیاہی سے بنا دی جاتی تھی، مثلاً اخفاء کے لئے تین نقطے "∴" اور اظہار کے لئے نون ساکن کے نیچے ایک مختصر سرخ نون ("ن") لکھ دیتے تھے، یہ چیز چین کے قلمی مصاحف میں دیکھی گئی ہے۔ خط بہار میں لکھے گئے مصاحف میں سے بعض میں صرف علامت اظہار کے طور پر سرخ "ن" حرف کے اوپر لکھا جاتا تھا اور اخفاء کے لئے کوئی علامت استعمال نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس بعض قلمی مصاحف میں علامت اظہار کے لئے ایک سرخ "ن" اور علامت اخفاء کے لئے سرخ "خ" لکھی جاتی تھی۔(۹۶)

اسی طرح بعض چینی قلمی مصاحف میں نون ساکنہ یا میم ساکنہ کے اخفاء (ہردو) کے لئے دو سرخ نقطے (:) بھی نظر سے گذرے ہیں۔ بعض دفعہ ساکن نون کے اخفاء کو ظاہر کرنے کے لئے متعلقہ حرف پر "خ"، اظہار کے لئے "ن" اور ادغام کے لئے "د" یا بعض دفعہ "غ" سرخ سیاہی سے لکھے جاتے تھے (۹۷)۔ پاکستانی "تجویدی مصحف" میں میم مخفاۃ اور نون مخفاۃ دونوں کے لئے ایک قسم کی علامت سکون " ^ " اختیار کی گئی، صرف نون مظہرہ کے لئے الگ علامت سکون ہے۔

۴۰۔ تشدید (شَدّ) : یہ دراصل ہم مخرج یا ہم جنس حروف کے سکون اور حرکت کا امتزاج ہے، جو کبھی ایک کلمہ میں واقع ہوتا ہے اور کبھی دو کلمات میں۔ ابوالاسود نے خود تو نہیں مگر ان کے متبعین نے اس کے لئے " ے " کی شکل تجویز کی تھی جو دال مقلوبہ سے ماخوذ تھی۔ (۹۸) پہلے اس کے لئے قوس کی شکل بھی (ٮ یا ٮ یا ⌒) اختیار کی گئی تھی۔(۹۹)

الخلیل نے اس کے لئے موجودہ علامت (ّ) ایجاد کی جو تشدید یا شدّہ کے "ش" سے ماخوذ ہے۔ اشکال کے معمولی فرق (مثلاً ّ یا ّ) کے ساتھ یہ نظام اب تک دنیائے اسلام کے مشرق و مغرب میں ہر جگہ مستعمل ہے۔ البتہ حرف مشدد مکسور کی حرکت کے موقع میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔ (۱۰۰) تشدید سے پہلے حرفِ ساکن ہو تو مدغم بتشدید حرف کو بعض ممالک خصوصاً مغرب میں علامت سکون سے خالی رکھا جاتا ہے مگر اہل مشرق تعریہ کی بجائے علامت سکون ڈالتے ہیں۔

(جاری ہے)

حواشی

۷۶۔ بعض مطبوعہ مصاحف میں بھی علامات ضبط کو متن کی سیاہی سے مختلف رنگوں میں چھاپنے کاالتزام کیا گیا ہے۔ مثلاً ایران سے انتشارات صالحی کی طرف سے خالقی زنجانی کی کتابت کے ساتھ ۱۳۹۵ھ میں شائع ہونے والا ضخیم و جمیل مترجم مصحف، جس میں تمام علامات ضبط سرخ سیاہی سے چھپے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے "کلیۃ القرآن" کے ایک اسی قسم کے منصوبہ طباعت قرآن کے نمونے کے کچھ صفحات مجلۃ الکلیۃ میں چھپے ہیں (دیکھئے مجلہ مذکورہ ص ۶۲ - ۳۵۵) مختلف (بلکہ قلمی دور کی طرح چار مختلف) رنگوں میں مصحف کی طباعت کے بہترین نمونے نائیجریا کے بعض مصاحف کی صورت میں ملتے ہیں مثلاً الشریف بلا کے زیر اہتمام کانو (نائیجریا) سے ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں شائع ہونے والا ایک مصحف، جس میں متن سیاہ اور علامات تین رنگوں میں ہیں۔

۷۷۔ دیکھئے ابن درستویہ ص ۱۰ ببعد۔

۷۸۔ نیز دیکھئے عبود ص ۴۰ - ۳۹

۷۹۔ المحکم ص ۵۰ - ۴۷ و ۷۴ اور الطراز ورق ۲۸ بحث تشدید۔

۸۰۔ مثلاً دیکھئے یہی کتاب (المحکم) ص ۹ - ۸ اور ص ۶۰ ببعد۔

۸۱۔ نائیجریا کی طرح سوڈان میں بھی قلمی مصاحف کی کتابت میں چار سیاہیاں استعمال ہوتی تھیں۔ یعنی متن کالی سیاہی سے، حرکات سرخ اور ہمزۃ الوصل کے لئے سبز اور ہمزۃ القطع کے لئے زرد رنگ۔ حکومت سوڈان بھی اپنے عوام کے لئے اسی طرح چار رنگوں میں مصحف طبع کرانا چاہتی تھی کیونکہ قلمی مصاحف مہنگے ہوتے تھے اور مصر سے آنے والے مطبوعہ مصاحف روایۃ حفص میں ہوتے تھے۔ [سوڈان میں الدوری عن ابی عمرو البصری کی روایت رائج ہے] اس غرض کے لئے ۱۹۶۶ء میں جامعہ ام درمان کے وائس چانسلر ڈاکٹر کامل باقر نے کراچی میں تاج کمپنی سے ایک قلمی سوڈانی مصحف کی رنگ دار عکسی طباعت کے لئے بات چیت کی مگر کمپنی نے اتنے اخراجات بتائے کہ انہیں پاکستان سے یہ نسخہ چھپوانے کی ہمت نہ پڑی۔ اس سے پہلے ۱۹۶۰ء میں مصر کے جمال عبدالناصر بھی سوڈان کی اسی قسم کی درخواست کو بوجوہ قبول نہ کر سکے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتابچہ "کتابۃ المصحف" ص ۱۴، ۲۱، ۳۴ اور ۳۵

۸۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقالہ ھذا کا پیراگراف نمبر ۱۰ اور نمونہ کے لئے دیکھئے المحکم (مقدمہ) ص ۳۸ اور مجلۃ الکلیۃ ص ۳۳۱ نیز اسی مجلہ کا سرورق۔

۸۳۔ اس کی تفصیل اسی مقالہ کے پیراگراف نمبر ۲۱ اور ۲۲ میں گزر چکی ہے۔

۸۴۔ نمونے کے لئے دیکھئے لنگز: (۱۱) پلیٹ نمبر ۱۱ تا ۱۵، ۴۱، ۵۰، ۵۶ تا ۵۸، ۸۳، ۹۵، ۹۶، ۱۰۶ اور ۱۰۷۔

۸۵۔ المقنع ص ۱۲۹ المحکم (مقدمہ) ص ۳۸ نیز دیکھئے اسی کتاب کا ص ۵۱۔
۸۶۔ الطراز ورق ۲۴/ب، غانم ص ۵۸۸ ببعد۔
۸۷۔ مصحف الحلبی ص ۵۲۴۔
۸۸۔ چینی نمونے کے لئے دیکھئے "ختم القرآن" اور "الخطب الاربعون" نیز دیکھئے آربری پلیٹ نمبر ۷۰ اور اسی مقالے کے آخر پر ایک چینی قلمی مصحف کا نمونہ۔ اس طرح کے ایرانی نمونے کے لئے ملاحظہ ہو "قرآن مجید بخط نستعلیق"۔ (بقلم حسین میرخانی) از انتشارات کتاب خانہ ابن سینا ۱۳۸۵ھ۔ جس میں دونوں علامات سکون بغیر کسی تمیز کے لگائی گئی ہیں۔
۸۹۔ تجویدی قرآن (مقدمہ) ص ۱۵۔۱۹
۹۰۔ مصحف الملک (ضمیمۃ التعریف) ص ح ل اور مصحف المدینہ (التعریف) ص ج و د
۹۱۔ الطراز ورق ۱۹/ب و ۲۰ الف
۹۲۔ دیکھئے مصحف الجماھیریہ (التعریف) ص ل، مصحف بروایۃ قالون (بقلم الخماسی) کا ضمیمۃ التعریف [جس پر ویسے صفحے نہیں ڈالے گئے] کا ص ۳ نیز الطراز ورق ۱۹/ب۔
۹۳۔ دیکھئے اوپر حاشیہ ۸۹
۹۴۔ مثلاً مصری و سعودی اور افریقی مصاحف میں (دیکھئے ان کے ضمیمہ ہائے تعریفی)
۹۵۔ مثلاً پاکستانی تجویدی قرآن مجید میں دیکھئے اس کا مقدمہ ص ۲۰
۹۶۔ مثلاً برٹش لائبریری کا رنگ دار مطبوعہ "قرآن کارڈ" نمبر BL_C/OM/059 جو مصر میں لکھے گئے پانچ سو سال پرانے ایک قلمی مصحف سے لیا گیا۔ چینی اور "بہاری" مصاحف کے کچھ قلمی اوراق مقالہ نگار کے پاس موجود ہیں جن سے یہ معلومات لی گئی ہیں۔
۹۷۔ نمونہ کے لئے دیکھئے مذکورہ بالا "قرآن کارڈ" نیز لنگز (۱۱) پلیٹ نمبر ۴۵۔
۹۸۔ المحکم ص ۴۹ ببعد۔ نیز الطراز ورق ۲۶/الف ببعد۔
۹۹۔ تفصیل کے لئے رجوع کیجئے مقالہ ھذا پیراگراف نمبر ۱۷
۱۰۰۔ غانم ص ۵۹۰ ببعد۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا
26 واں سالانہ اجلاس

(منعقدہ یکم نومبر ۱۹۹۸ء)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ۲۶ واں سالانہ اجلاس یکم نومبر ۱۹۹۸ء بروز اتوار صبح ۱۰ بجے قرآن آڈیٹوریم اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا۔ محترم صدرِ مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اجلاس کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا' جس کی سعادت قرآن کالج کے طالب علم نعمان اقبال نے حاصل کی۔ اس کے بعد معتمد انجمن جناب محمود عالم میاں صاحب نے شرکاءِ اجلاس کو خوش آمدید کہا اور گزشتہ سالانہ اجلاس کی کارروائی پڑھ کر سنائی جس کی توثیق کر دی گئی۔ بعد ازاں انہوں نے سال ۹۸۔۱۹۹۷ء کے دوران مرکزی انجمن کی سرگرمیوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ :-

☆ سال ۹۸۔۱۹۹۷ء کے دوران مرکزی انجمن کے حلقہ محسنین میں ۱۰' حلقہ مستقل ارکان میں ۴ اور حلقہ عام ارکان میں ۶ ارکان کا اضافہ ہوا۔ جون ۹۸ء کے اختتام پر ان حلقوں میں ارکان کی کل تعداد بالترتیب ۳۳۸' ۱۸۰ اور ۴۰۰ تھی۔

☆ شعبہ اکیڈمک ونگ کے زیر اہتمام ۸ نئی کتب شائع کی گئیں' ۲ کتب کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن نئے گیٹ اپ کے ساتھ شائع کئے گئے' جبکہ ۱۵ کتب کے نئے ایڈیشن اغلاط کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوئے۔ ماہنامہ "میثاق" "حکمت قرآن" اور ہفت روزہ "ندائے خلافت" کی اشاعت باقاعدگی سے جاری رہی۔

☆ شعبہ انگریزی کے تحت دو نئے کتابچے اور ایک کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا گیا۔ علاوہ ازیں جناب عمران این حسین صاحب کی دو انگریزی تحریروں کا اردو ترجمہ کر کے میثاق میں شائع کرایا گیا۔ سہ ماہی انگریزی مجلّہ The Quranic Horizons

باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

☆ قرآن اکیڈمی لائبریری میں دورانِ سال ۳۷۵ کتب کا اضافہ ہوا۔ لائبریری کو موصول ہونے والے رسائل و جرائد کی تعداد تقریباً ۱۵۰ ہے۔ علاوہ ازیں چار اردو اور دو انگریزی اخبارات باقاعدگی سے آتے رہے۔

☆ ۹۸-۱۹۹۷ء میں "مکتبہ" نے کتب و جرائد اور ویڈیو/آڈیو کیسٹس کی فروخت اور ترسیل کا کام عمدگی سے کیا۔ دوران سال ۴۳۷,۸۹۵ روپے کی کتب فروخت ہوئیں، جبکہ ۱۱,۹۸۱ آڈیو کیسٹس، جن کی مالیت ۳۶۲۴۴۵ روپے اور ۱۳۹۹ ویڈیو کیسٹس جن کی مالیت ۲۱,۵۶۵۰ روپے ہے، فروخت ہوئیں۔

محترم صدرِ مؤسس کے دورۂ ترجمہ قرآن ۹۸ء کو پہلی مرتبہ کمپیوٹر CD پر بھی متعارف کرایا گیا تھا، جس کی بہت پذیرائی ہوئی اور ۲۷۸ CDs جن کی مالیت ۴۸۶۵۰ روپے ہے، فروخت ہوئیں۔

☆ مرکزی انجمن کے شعبہ خط و کتابت کورسز نے پانچ مختلف کورسز پیش کر رکھے ہیں۔ سال کے اختتام پر "قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس" میں شرکاء کی تعداد ۳۲۱۳ تھی۔ اسی طرح عربی گرامر حصہ اول میں ۱۶۵۷، حصہ دوم میں ۱۴۴، حصہ سوم میں ۶۳ اور ترجمہ قرآن کریم کورس میں شرکاء کی تعداد ۴۳۰ تھی۔

☆ شعبہ سمع و بصر نے سال ۹۸-۱۹۹۷ء کے دوران دروس و خطابات کی ریکارڈنگ اور ویڈیو/آڈیو کیسٹس کی کاپیاں تیار کرنے کا کام عمدگی سے کیا۔ اس کے علاوہ اس شعبہ نے محترم صدر مؤسس کے دورۂ ترجمہ قرآن ۹۸ء پر مشتمل کمپیوٹر CD تیار کی جس کی بہت پذیرائی ہوئی۔

☆ محکمہ تعلیم سے رجسٹریشن کرانے کے بعد قرآن کالج کا بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سے الحاق بھی کرالیا گیا ہے۔ دورانِ سال ایف اے اور بی اے کے علاوہ آئی کام اور کمپیوٹر کلاسز کا اجراء کیا گیا۔ ایک سالہ رجوع إلی القرآن کورس کے داخلے امید افزا رہے۔ حسب معمول میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات سے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے "اسلامک جنرل نالج ورکشاپ" کا اہتمام

بھی کیا گیا۔

قرآن کالج لائبریری میں کتب کی تعداد ۱۴۴۳ ہے۔ قرآن کالج کی کمپیوٹر لیب میں کل ۱۰ کمپیوٹر موجود ہیں جو نیٹ ورک کے ذریعہ آپس میں منسلک ہیں۔

☆ قرآن کالج کے طلبہ کے لئے بہترین ساز و سامان سے مزین ہاسٹل موجود ہے جس میں ۷۴ طلبہ کی رہائش کی گنجائش ہے۔ ہاسٹل میں رہائش پذیر طلبہ کی نگرانی کے لئے ہمہ وقتی وارڈن اور نائب وارڈن کی خدمات بھی حاصل ہیں' جو کالج ہی کے فیملی کوارٹرز میں رہائش پذیر ہیں۔

☆ مرکزی انجمن کے شعبہ ایڈمن نے دوران سال اپنی معمول کی دفتری ذمہ داریوں کے علاوہ مرکزی انجمن کی ضروریات کے لئے گورنمنٹ دفاتر کے ساتھ رابطہ کا کام بڑی عمدگی سے ادا کیا۔ اس میں قرآن اکیڈمی کے توسیعی نقشہ کی ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے منظوری کا کام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

مرکزی انجمن کے شعبہ اکاؤنٹس و کیش نے اپنے مختصر عملہ کے باوجود اپنی ذمہ داریاں نہایت عمدگی سے ادا کیں۔

☆ جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت قرآن کالج کے سابق طالب علم جناب خالد محمود عباسی صاحب نے حاصل کی۔

☆ شعبہ حفظ بھی عمدگی کے ساتھ جاری رہا۔ اس سال ۱۸ بچوں نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی۔

سال ۹۸ - ۱۹۹۷ء کی کارکردگی کی high lights کے بعد جناب معتمد انجمن نے مرکزی انجمن کے سالانہ اکاؤنٹس پیش کرنے کے لئے اکاؤنٹینٹ جناب محمد یونس صاحب کو دعوت دی۔ انہوں نے نہایت اختصار کے ساتھ مرکزی انجمن کے آمد و خرچ کا جائزہ پیش کیا اور شرکاء کے استفسارات کے تسلی بخش جواب دیئے۔

مرکزی انجمن کے چھبیسویں سالانہ اجلاس میں منسلک انجمنوں کے نمائندے بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان میں انجمن خدام القرآن سندھ کراچی سے جناب عبداللطیف عقیلی صاحب' انجمن خدام القرآن فیصل آباد سے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب'

انجمن خدام القرآن سرحد پشاور سے ڈاکٹر محمد اقبال صافی صاحب' انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد سے جناب امتیاز علی راستگار صاحب اور انجمن خدام القرآن سرگودھا سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب تشریف لائے تھے۔ ان سب حضرات نے اپنی اپنی انجمن کی کارکردگی کی مختصر روداد اجلاس میں پیش کی۔

آج کے اجلاس میں مرکزی انجمن کی مجلس شوریٰ کے نصف ارکان کا انتخاب بھی عمل میں لایا گیا۔ اس کے لئے ضروری انتظامات پہلے ہی کر لئے گئے تھے۔ اس مرتبہ مدتِ انتخاب کی تکمیل کے بعد ریٹائر ہونے والے ارکان شوریٰ میں حلقہ مؤسسین و محسنین میں سے چھ' حلقہ مستقل ارکان میں سے دو اور حلقہ عام ارکان میں سے چار ارکان ریٹائر ہوئے۔ گویا اسی تعداد میں نئے ارکان شوریٰ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ ریٹائر ہونے والے ارکان شوریٰ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حلقہ نمبر۱(مؤسسین و محسنین) :

۱۔ شیخ محمد عقیل صاحب
۲۔ وکیل احمد خان صاحب
۳۔ میجر احسن رؤف شیخ صاحب
۴۔ میاں محمد رفیق صاحب
۵۔ ایثار احمد ثروت صاحب
۶۔ ڈاکٹر مختار احسن رندھاوا صاحب

حلقہ نمبر۲(مستقل ارکان) :

۱۔ محمود عالم میاں صاحب
۲۔ انوار الحق چوہدری صاحب

حلقہ نمبر۳(عام ارکان) :

۱۔ ڈاکٹر ابصار احمد صاحب
۲۔ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب
۳۔ چوہدری غلام محمد صاحب
۴۔ مختار احمد خان صاحب

تمام ارکان کو بلحاظ حلقہ مطلوبہ تعداد میں قرطاس ہائے تجویز ارسال کئے گئے۔ ارکان انجمن کی طرف سے موصول ہونے والے مکمل قرطاس ہائے تجویز کے مطابق حلقہ نمبر۱میں ۹' حلقہ نمبر۲ میں ۲ اور حلقہ نمبر۳ میں ۶ امیدواروں کے نام تجویز کئے گئے۔ اس طرح حلقہ نمبر۱ اور حلقہ نمبر۳ میں انتخابات کی ضرورت پیش آئی' جبکہ حلقہ نمبر۲ میں

انتخاب کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ اس میں اتنے ہی نام تجویز کئے گئے تھے جتنے منتخب کئے جانا تھے۔ لہٰذا حلقہ نمبر۱ اور حلقہ نمبر۳ میں انتخاب عمل میں لایا گیا۔ حاضرین اجلاس میں سے جن ارکانِ انجمن کا حق رائے دہی محفوظ تھا' ان میں بلحاظ حلقہ قرطاس ہائے انتخاب (بیلٹ پیپر) تقسیم کر دیئے گئے جنہیں ارکان نے اپنے مطلوبہ امیدواروں کو Tick کر کے اسی وقت واپس دے دیا۔ انتخاب کے عمل کے ساتھ ہی اجلاس میں آدھے گھنٹہ کا وقفہ کر دیا گیا جس میں تمام شرکاءِ اجلاس کی چائے سے تواضع کی گئی اور اسی دوران انتخاب کے نتائج مرتب کر لئے گئے۔

وقفہ کے بعد معزز رکن شوریٰ ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے انتخابات کے نتائج کا اعلان کیا اور نئے منتخب ہونے والے نصف ارکان شوریٰ کے اسمائے گرامی پڑھ کر سنائے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حلقہ نمبر۱ (محسنین و مؤسسین) :

۱۔ میجر احسن رؤف شیخ صاحب
۲۔ ڈاکٹر محمد یقین صاحب
۳۔ میاں محمد رفیق صاحب
۴۔ شیخ محمد عقیل صاحب
۵۔ میاں تجمل واحد صاحب
۶۔ محمد نسیم صاحب

حلقہ نمبر۲ (مستقل ارکان) :

۱۔ محمود عالم میاں صاحب
۲۔ انوار الحق چوہدری صاحب

حلقہ نمبر۳ (عام ارکان) :

۱۔ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب
۲۔ ڈاکٹر ابصار احمد صاحب
۳۔ چوہدری غلام محمد صاحب
۴۔ کرنل ریاض الحق صاحب

انتخابات کے نتائج کے اعلان کے بعد محترم صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اختتامی کلمات سے نوازا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب کی تلخیص ان شاء اللہ العزیز آئندہ شمارے میں شائع کی جائے گی۔

بقیہ : تعارفِ الکتاب

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ○ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ○ ﴾ اگلی سورۃ میں یہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اے لوگو تمہیں کس بات نے غافل کیا ہے کہ تم قیامت کی فکر نہیں کرتے یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ ﴾ اس کے بعد سورۃ العصر ہے جس کے بارے میں پہلے بھی بیان آچکا ہے۔ پھر آتی ہے "سورۃ الھمزۃ" وہ سورۃ کہ جس میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ جب انسان پر غفلت طاری ہوتی ہے تو اس کا کردار کتنی پستیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ الفیل اور پھر سورۃ القریش ہے جس میں خاص طور پر قریشِ مکہ پر اللہ نے اپنے احسانات جتائے اور انہیں دعوت دی ہے کہ ان احسانات کا حق اس طرح ادا کر سکتے ہو کہ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور خدائے واحد کی پرستش کرو' یہ جو تم نے خانہ کعبہ کو ایک بُت خانہ بنا کر رکھ دیا ہے اس کو اس نجاست سے پاک کرو۔

یہ پارہ ختم ہوتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ قرآن مجید ختم ہوتا ہے "معوّذتین" پر۔ یہ دو عظیم سورتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ فلاں فلاں چیزوں کے شر سے میری پناہ طلب کرتے رہا کرو' اس کے لئے ہم تمہیں بہترین کلمات تلقین فرماتے ہیں : ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ﴾ اور اس حسین و جمیل جوڑے پر یہ آخری پارہ بھی ختم ہوتا ہے اور پورا قرآن مجید بھی اپنے اختتام تک پہنچتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا بِالْقُرْآنِ ' وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا بِالْاِيْمَانِ ' اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتَنَا فِي قُبُورِنَا ' وَارْحَمْنَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ ' اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ !!

۱۴) مسجد العزیز، رچنا ٹاؤن فیروز والہ ـــــ (مترجم : جناب حافظ علاؤ الدین خان)

۱۵) برمکان ڈاکٹر احتشام الحق صدیقی، نیو کراچی ـــــ (مترجم : جناب عبد المقتدر)

۱۶) جامع مسجد یاسین آباد، فیڈرل بی ایریا کراچی ـــــ (مترجم : جناب جلال الدین اکبر)

۱۷) کوچنگ سنٹر K ایریا، کورنگی نمبر 5، کراچی ـــــ (مترجم : جناب اقبال احمد صدیقی)

۱۸) مسجد طیبہ، زمان ٹاؤن، کورنگی نمبر ۴، کراچی

ـــــ (مترجم : جناب عمران لطیف کھوکھر/یونس واجد)

۱۹) برنس روڈ گلی نمبر ۴ کراچی ـــــ (یہ پروگرام سڑک کے کنارے ٹینٹ لگا کر کیا گیا) ـــــ (مترجم : جناب شجاع الدین شیخ)

۲۰) دار القرآن، اللہ بخش سٹریٹ وسن پورہ لاہور ـــــ (مترجم : جناب عبد الرزاق قمر)

۲۱) مسجد نور، چوک مارکیٹ، گلستان کالونی مصطفیٰ آباد لاہور

ـــــ (مترجم : جناب اقبال حسین)

۲۲) مسجد چاہ جٹاں والی، سیالکوٹ ـــــ (مترجم : جناب شمس العارفین)

۲۳) جامع مسجد عثمانیہ، ڈسکہ ـــــ (مترجم : جناب شاہد اسلم)

۲۴) مسجد السید ہسپتال، ایبٹ آباد ـــــ (مترجم : جناب ذوالفقار علی)

۲۵) جامع مسجد اوچ، بٹ خیلہ، سرحد (دن ۱۲ بجے تا نماز عصر)

ـــــ (مترجم : جناب مولانا غلام اللہ حقانی)

۲۶) برمکان جمیل احمد لانڈھی، کراچی ـــــ (مترجم : جناب عامر خان/افتخار عالم خان)

خواتین کے پروگرام

۲۷) برمکان اعجاز لطیف صاحب، کراچی۔ صبح ۱۰ بجے ـــــ (مترجمہ : بیگم اعجاز لطیف صاحبہ)

۲۸) برمکان ابوذر ہاشمی لانڈھی، کراچی۔ ۸ بجے شب

ـــــ (مترجمہ : جناب عزیزہ افتخار عالم)

مزید برآں بیان القرآن (خلاصۂ مباحث قرآن) کے پروگرام گیارہ مقامات پر اور آڈیو/ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ترجمہ قرآن کے مکمل و مختصر پروگرام ۳۵ مقامات پر منعقد ہوئے۔

Jan. 1999 Reg. No. CPL. 126

MONTHLY
Hikmat-e-Quran
LAHORE

Vol. 18

No. 2

قمری حساب سے پاکستان کی عمر کے 54 ویں سال کے آغاز پر ایک لمحۂ فکریہ!

جملہ دینی جماعتیں اور مذہبی قیادتیں غور فرمائیں کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے؟

کہ پاکستان کے مستقبل کو جو داخلی اور خارجی خطرات لاحق ہیں' اور خود سوزی اور خود کشی کے بڑھتے ہوئے واقعات کی صورت میں اللہ کے کسی بڑے عذاب کے جو آثار نظر آ رہے ہیں ان کے پیش نظر اپنے اپنے جماعتی اور گروہی حصاروں سے باہر نکل کر ایک ایسا

متحدہ اسلامی محاذ

تشکیل دیں ——— جو ——— بتوفیق الٰہی :

☆ اقتدار کی کشاکش سے کنارہ کش رہتے ہوئے' کسی شخص یا جماعت کو "ہٹاؤ" نہیں بلکہ "اسلام لاؤ" کی عوامی تحریک چلائے۔

☆ اور اس کیلئے خالص قرآنی لائحہ عمل یعنی "دعوت اِلی الخیر' اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (آل عمران : ۱۰۴) سے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے۔

☆ اور معتدبہ قوت حاصل ہونے پر "نھی عن المنکر بالید" یعنی برائی کے خلاف طاقت کے استعمال کے ضمن میں پُرامن مظاہروں' ہڑتالوں' گھیراؤں حتیٰ کہ سول نافرمانی کی صورت اختیار کرلے!

☆ تاآنکہ یا سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم' اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے' یا اللہ ہمیں شہادت کی موت عطا فرمادے!

اِس مقصد کیلئے اِن شاء اللہ جلد ہی میں خود بھی زعمائے ملت کے درہائے عالی پر حاضری دوں گا ——— تاہم سبقت اِلی الخیر کے خواہاں حضرات مجھ سے رابطہ میں پہل کریں گے تو یقیناً عند اللہ ماجور ہونگے۔

واضح رہے کہ تنظیم اسلامی مجوزہ محاذ کی داعی تو ہے لیکن کسی عہدے کی ہرگز طالب نہیں!

الداعی الی الخیر ——— خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ ——— امیر تنظیم اسلامی

○ 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور ○ فون : 5869501-3 ○ فیکس : 5834000

email : anjuman@brain.net.pk